TQ Class Lesson 47 Surah Al-Imran 144-155 Tafseer

تفسیر سورۃ آل عمران 144-155

آیت 144:
وما مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَ يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗوَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

ترجمہ : محمد ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، اُن سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔

اس آیت میں ایک اہم حقیقت پر اللہ رب العزت روشنی ڈال رہے ہیں۔ اور بتا رہے ہیں کہ دنیا میں بہت سے رسول گزرے ہیں ۔اسی طرح آپ ﷺ بھی اللہ کے ایک رسول ہیں۔ جس طرح کی آزمائشیں اور مصیبتیں دوسرے رسولوں کو آئیں اسی طرح انہیں بھی پیش آ سکتی ہیں۔ اور تمام رسولوں کو موت کے مرحلے میں سے گزرنا پڑا اور انہیں بھی ایک دن وفات پانا ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ **کا** فوت ہونا یا آپ ﷺ کو شکست کا ہو جانا یہ سب چیزیں کیا ہیں؟ یہ ایک آزمائش ہے اور یہ ایک انسانی فطرت ہے ۔تو کسی شخص کو بھی اس سے پالا پڑ سکتا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ وہ ایک انسان تھے۔ اور جیسا کہ غزوہ احد میں یہ مشہور ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ **شہید** ہو گئے۔ تو بعض صحابہ کی ہمتیں ٹوٹنی شروع ہو گئی تھیں ۔تو آئیے اس موقع پر ہم تجلیات نبوت و مہر نبوت سے تفصیل سے پڑھ لیتے ہیں۔ کہ نبی ﷺ کے آخری ایام کیسے تھے۔ اور آپ ﷺ **کی** وفات کیسے ہوئی۔ کیونکہ کافی آیات ایسی ہیں جن کو سمجھنے کے لئے ہم ان کو پڑھ لیں تو زیادہ اچھے طریقے سے سمجھ آتی ہیں۔

رفیق اعلیٰ کی جانب الوداعی آثار :

جب رسول اللہ ﷺ نے رسالت کی تبلیغ فرمالی اور امت کی خیرخواہی کا کام مکمل کر لیا تو آپ ﷺ **کے** اقوال و افعال میں دنیا سے رحلت کے آثار نمایاں ہونا شروع ہو گئے ۔آپ ﷺ **نے** دسویں سال رمضان میں بیس دنوں تک اعتکاف کیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ **کو** دو مرتبہ قرآن کا دورہ کروایا ۔

مفہوم حدیث: آپ ﷺ **نے** اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنها سے فرمایا میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت قریب آ چکا ہے۔

مفہوم حدیث: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو وصیت کرنے کے بعد فرمایا۔ اے معاذ غالباً میرے اس سال کے بعد تم مجھ سے ملاقات نہ کر سکو گے - اور میری اس مسجد اور میری قبر کے پاس سے گزرو گے۔ یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی جدائی میں رونے لگے۔

آپ ﷺ **نے** حجۃ الوداع میں کئی بار فرمایا۔ غالباً میں تم لوگوں سے اپنے اس سال کے بعد نہ مل سکوں گا غالباً میں اپنے اس سال کے بعد حج نہ کر سکوں گا۔

اسی طرح **الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي** کا نزول اس بات کا پیغام تھا ۔کہ آپ ﷺ دنیا میں اپنی مہم سے فارغ ہو چکے ہیں ۔اور اس وجہ سے اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا گیا ۔پھر آپ ﷺ **نے** اپنے رب سبحانہ و تعالی کی طرف حج کوجانےکے لیے لوگوں کو الوداع کہا - 11

ہجری میں آپ ﷺ احد تشریف لے گے - اور شہداء کے لئے دعا فرمائی ۔ گویا زندوں اور مردوں سے رخصت ہو رہے ہوں۔

مفہوم حدیث:

پھر واپس آ کر منبر پر چڑھے اور فرمایا- میں تمہارا پیش رو ہوں ۔اور تم پر گواہ ہوں ۔میں واللہ اس وقت اپنا حوض دیکھ رہا ہوں۔ اور مجھے زمین یا زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ مجھے تم پر یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے بلکہ اس کا اندیشہ ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی دوڑ میں لگ جاؤ گے۔ ماہ صفر کے آخر میں آپ ﷺ رات کے وقت بقیع غرقد تشریف لے گئے ۔اور اہل بقیع کے لیے دعا مغفرت فرمائی۔ اور فرمایا ہم بھی تم سے آن ملنے والے ہیں ۔

مرض کا آغاز:

ماہ صفر کے آخری دو شنبہ کو رسول اللہ ﷺ ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گےء۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ۔آپ ﷺ بقیع سے واپس تشریف لائے ۔تو میں اپنے سر میں درد محسوس کر رہی تھی اور یہ کہہ رہی تھی ہائے میرا سر آپ ﷺ **نے** فرمایا **!** اے عائشہ ہائے**!** میرا سر۔

رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑی محبت کرتے تھے ۔ان کو تسلی دے رہے ہیں اور ان کا دل بہلا رہے ہیں اور فرمارہے ہیں تمہارا سر نہیں میرا سر یہ آپ ﷺ **کی** بیماری کی ابتدا تھی آپ ﷺ اس کے باوجود باری باری سب عورتوں کے پاس دن گزارتے رہے۔ یہاں تک کہ مرض سخت ہو گیا اس وقت آپ ﷺ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔ اور پوچھ رہے کہ کل میں کہاں رہوں گا۔ ازواج مطہرات نے اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں رہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے درمیان ٹیک لگا کر جب دونوں پاؤں زمین پر گھسیٹتے ہوئے نکلے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر منتقل ہو گئے ۔

عہد اور وصیّت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب آپ ﷺ میرے گھر تشریف لائے اور بیماری نے زور پکڑا تو آپ ﷺ **نے** فرمایا - مجھ پر سات مشکیزے پانی ڈالو ۔جن کا بندھن نہ کھولا گیا ہو ۔تاکہ میں لوگوں کو وصیّت کروں۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ **کو** حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک لگن میں بٹھا کر ان مشکیزوں سے پانی ڈالا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اشارہ فرمانے لگے - کہ تم لوگوں نے کام پورا کر دیا۔ پھر آپ ﷺ **لوگوں** کی جانب تشریف لے گے ۔انہیں نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا - اس خطاب میں آپ ﷺ **نے** فرمایا۔ تم سے پہلے جو لوگ تھے۔ وہ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کومساجد بنا لیتے تھے۔ تو تم لوگ قبروں کو مساجد نہ بنانا۔ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

اور فرمایا یہود و نصاری پر اللہ کی لعنت - انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔

مزید فرمایا ۔کہ تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا - کہ اس کی پوجا کی جائے۔ پھر آپ ﷺ نے خود کو قصاص یعنی زیادتی کے بدلے کے لیے پیش کیا۔انصار کے متعلق خیر کی وصیّت کی۔پھر فرمایا ۔ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا کہ وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت میں سے جو چاہے لے لے۔ یا ' اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے ۔تو اس بندے نے اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں- کہ یہ سن کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا- ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ ﷺ پر قربان اس پر ہمیں تعجب ہوا- لوگوں نے کہا اس بڈھے کو دیکھو رسول اللہ ﷺ تو ایک بندے کے بارے میں یہ بتا رہے ہیں ۔کہ اللہ نے

اسے اختیار دیا کہ دنیا کی چمک دمک زیب و زینت میں سے جو چاہے اسے اللہ دے دے - یا وہ اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے -اور یہ بڈھا کہہ رہا ہے -کہ ہم اپنے ماں باپ کے ساتھ آپ ﷺ پر قربان۔ (یہ بوڑھےکون تھے؟ حضرت ابو بکرصدیق رضی اللہ عنہ لیکن چند دن بعد واضح ہوا -کہ جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا -وہ خود رسول اللہ ﷺ تھے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے زیادہ صاحبِ علم تھے -پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف کی -اور ان کے دروازے کے سوا مسجد میں کھلنے والے تمام دروازوں کو بند کرنے کا حکم دے دیا۔(مسجد نبوی میں مختلف صحابہ کے دروازے کھلا کرتے تھے اور پھر وہ اپنا دروازہ کھول کے مسجد نبوی میں داخل ہو جاتے تھے۔) پھر آپ ﷺ نے آخری دنوں میں فرمایا کہ سب کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں- سب کے بند کر دی جائیں سوائے ابو بکر کے۔ یہ بدھ کے روز کی بات ہے جمعرات کو آپ ﷺ کی بیماری نے اور شدت اختیار کر لی-آپ ﷺ نے فرمایا لاؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں -جس کے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے -حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے فرمایا- آپ ﷺ پر تکلیف کا غلبہ ہے - آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس قرآن ہے- اللہ کی یہ کتاب تمہارے لیے کافی ہے اس پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ اور جب شور اور اختلاف زیادہ ہوا-تو آپ ﷺ نے فرمایا -میرے پاس بیٹھ جاؤ- اس دن آپ ﷺ نے وصیّت فرمائی کہ یہود و نصاری اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور وفود کو اسی طرح نوازا جائے- جیسے آپ ﷺ نوازتے تھے-(مختلف لوگ آتے تھے اسلام قبول کرنے دین کو سمجھنے بہت اچھا سلوک کرتے تھے تحفے تحائف دے کر تالیف قلب کے لئے) نماز اور غلاموں اور لونڈیوں کے متعلق بھی تاکید فرمائی۔ اور فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں اور جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے- ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ وہ دو چیزیں کیا تھیں؟ کتاب اللہ اور میری سنت۔

نماز کے لئے حضرت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جا نشینی:

نبی ﷺ مرض کی شدت کے باوجود نماز خود پڑھایا کرتے تھے-لیکن اس دن جمعرات کو جب عشاء کا وقت ہوا-آپ ﷺ نے لگن میں غسل فرمایا- تاکہ مرض میں تخفیف ہو جائے -کمی ہو جائے -پھر اٹھنے لگے تو غشی طاری ہو گئی -- افاقہ ہوا تو دوبارہ غسل فرمایا -لیکن پھر اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی۔ پھر تیسری بار غسل فرمایا -لیکن - اٹھنے لگے تو پھر غشی طاری ہو گئی -آخر آپ ﷺ نے حضرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا -کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ چنانچہ اس وقت سے بقیہ ایام میں حضرت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی -آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ان کی پڑھائی گئی نمازوں کی کل تعداد 17ہے -ہفتہ یا اتوار کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ افاقہ محسوس کیا۔ چنانچہ دو آدمیوں پر درمیان ظہر کی نماز کیلئے تشریف لائے -جس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو ان کے بائیں بٹھا دیا گیا۔ چنانچہ اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کر رہے تھے۔ اور لوگ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اتباع کر رہے تھے۔ کہ وہ ہی لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے۔ جو کچھ تھا۔ سب صدقہ فرما دیا -اتوار کے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام آزاد کر دیئے -آپ ﷺ کے پاس سات دینار تھے انہیں صدقہ کر دیا -ہتھیار مسلمانوں کو ہبہ کر دیا۔(ہبہ کے معنی، تحفہ)رات آئی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک چراغ ایک عورت کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ اپنی کپی سے ہمارے چراغ میں گھی ٹپکا دو-آپ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع (قریبا 75 کلو) جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔

حیاتِ مبارکہ کا دن آخری:

دو شنبه کی صبح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے ۔کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت
 عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ اٹھایا اور لوگوں کی طرف دیکھ کر مسکرائے - اس پرحضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایڑھی کے بل پیچھے ہٹے اور سمجھا کہ آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لانا چاہتے ہیں ۔
بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر مسلمان اس قدر خوش ہوئے کہ چاہتے تھے کہ نماز کے اندر ہی فتنے میں پڑجائیں۔ یعنی آپ ﷺ کی مزاج پرسی کے لئے نماز توڑ دیں۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا ۔کہ اپنی نماز پوری کر لو ۔پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے ۔اور پردہ گرا دیا ۔
اسی دن یا اسی ہفتے رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور کچھ سرگوشی کی وہ رونے لگیں۔ پھر کچھ سرگوشی کی تو ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ سے ہم نے پوچھا تو چھپا لیا - لیکن جب نبی ﷺ کی وفات ہو گئی تو بتلایا کہ آپ ﷺ نے پہلی دفعہ یہ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ اپنے اسی مرض سے وفات پا جائیں گے ۔اس لیے وہ روئیں۔ اور دوسری بار یہ فرمایا تھا کہ آپ ﷺ کے اہل وعیال میں سب سے پہلے وہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ سے آن ملیں گی۔ اس لیے وہ ہنسیں اور آپ ﷺ نے یہ بشارت بھی دی کہ آپ ساری خواتین عالم کی سیدہ ہیں سردار ہیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کےمرض کی شدت دیکھی تو بے ساختہ پکار اٹھیں ۔ہائے اباجان کی مصیبت تکلیف ۔ آپ ﷺ نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر چوما اور ازواج مطہرات کو بلا کر واضح نصیحت کی۔ لمحہ بہ لمحہ تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ اور اس زہر کا اثر بھی ظاہر ہونا شروع ہو گیا۔ جسے آپ ﷺ کو خیبر میں کھلایا گیا تھا ۔چنانچہ آپ ﷺ اس کی شدت محسوس کرنے لگے ۔آپ ﷺ نے چہرے پر ایک چادر ڈال رکھی تھی۔ جب سانس پھولنے لگتا تو چہرے سے ہٹا دیتے۔ اسی حالت میں آپ ﷺ نے فرمایا یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ۔انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنایا۔
 تو کیا نیک لوگوں کی قبریں ان پر سجدہ کیا جا سکتا ہے؟ مقصود کیا تھا ۔کہ ان کے جیسے کام کرنے سے روکنا تھا۔ سرزمین عرب میں وہ باقی نہ رہنے دیے جائیں۔ یہ آخری ارشاد اور وصیّت تھی ۔جو آپ ﷺ نے لوگوں کو فرمائی۔ اس کے بعد کئی دفعہ فرمایا ۔**«الصَّلاَةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»** نماز ، نماز اور تمہارے زیر دست یعنی لونڈی اور غلام۔

نزع ارفع اور وفات :

پھر نزع کی حالت شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اپنے سینے اور گلے کے درمیان سہارادے کر اپنے ساتھ لگا لیا ۔اسی دوران ان کے بھائی حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ آئے، ان کے پاس کھجور کی تازہ شاخ کی مسواک تھی۔ رسول اللہ ﷺ مسواک کی طرف دیکھنے لگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ اسے چاہتے ہیں ۔انہوں نے پوچھا تو آپ ﷺ نے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں ۔ چنانچہ انہوں نے مسواک لے کر چبائی اور نرم کی پھر آپ ﷺ نے اسے لے کر نہایت اچھی طرح مسواک کی ۔آپ ﷺ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا ۔آپ ﷺ پانی میں دونوں ہاتھ ڈال کر چہرہ پونجھتے جاتے تھے، اور فرماتے جاتے تھے۔**لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ إِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ** (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں موت کے لیے سختیاں ہیں۔) پھر آپ ﷺ نے دونوں ہاتھ یا انگلی اٹھائی۔ نگاہ چھت کی طرف بلند کی اور دونوں ہونٹوں پر کچھ حرکت ہوئی ۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان لگایا تو آپ ﷺ فرما رہے تھے۔ ان انبیاء صدقین شہداء اور صالحین کے ساتھ جنہیں تونے انعام سے نوازا ۔ اے اللہ مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ اور مجھے رفیقِ اعلی میں پہنچا دے ۔ سورۃ سورۃ نساء کی آیت نمبر 69

وَمَن يُطِعِ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ فَأُولَـٰٓئِكَ مَعَ ٱلَّذِينَ أَنْعَمَ ٱللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ ٱلنَّبِيِّـۧنَ وَٱلصِّدِّيقِينَ وَٱلشُّهَدَآءِ وَٱلصَّـٰلِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَـٰٓئِكَ رَفِيقًا (جو اللہ اور رسُول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے یعنی انبیاء اور صدّیقین اور شہداء اور صالحین۔ کیسے اچّھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسّر آئیں۔)

آخری فقرہ تین بات دہرایا اور روح پرواز کر گئی۔ ہاتھ جھک گیا ۔اور آپ ﷺ رفیقِ اعلی سے جا ملے۔ یہ دو شنبہ کا دن ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ اور ہجرت کا 11 سال تھا ۔اس وقت آپ ﷺ کی عمر 63 سال پوری ہو چکی تھی۔ **إِنَّا لِلّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**

صحابہ کی حیرت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا موقف:

اس حادثہ دلفگار کی خبر یعنی زخمی کر دینے والا حادثہ کی خبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں فورا پھیل گئی اور ان پر دنیا تاریک ہو گئی۔ قریب تھا کہ وہ اپنے حواس کھو بیٹھتے۔ چنانچہ کوئی دن اس سے بعید نہ تھا ۔اور کوئی دن اس سے قدیم نہ تھا۔جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی ۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رو رو کر اس طرح آہیں بھر رہے تھے ۔جیسے کہ حاجیوں کا شور برپا ہو ادھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر مسجد میں فرما رہے تھے ۔رسول اللہ ﷺ اس وقت تک وفات نہیں پائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ منافقین کو فنا نہ کر لے اور اس شخص کو کاٹنے اور قتل کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے جو یہ کہیں کہ آپ ﷺ **وفات** پائے گئے ہیں۔

شان نزول آیت 144:

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صبح کو آپ ﷺ کے مرض میں کمی دیکھی۔ تو اپنے مکان پر چلے گئے۔جو مدینہ سے تھوڑے سے فاصلے پرتھا۔ وہاں پر ان کی ایک بیوی تھیں۔ تو اس جگہ چلے گئے ۔انہیں آپ ﷺ کی وفات کی خبر ہوئی۔ تو گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور اتر کر مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوئے ۔لوگوں سے کوئی بات نہ کی ۔سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ کا قصد فرمایا اور آپ ﷺ کا جسد مبارک دھاری اور یمنی چادر سے ڈھکا ہوا تھا۔ انہوں نے چہرہ مبارک کھولا اسے چوما اور روئے ۔پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ۔اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں فرمائے گا۔ جو موت آپ ﷺ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ ﷺ کو آ چکی۔ (لوگ کہہ رہے تھے ۔ کہ نہیں مرے تو فرمایا کہ اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا جو موت آپ پر لکھ دی گئی وہ آپ کو آ چکی) اس کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور فرما یا۔عمر بیٹھ جاؤ ۔ مگر انہوں نے بیٹھنے سے انکار کر دیا چنانچہ ان کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ منبر کے پاس آ گئے، اور اس کےبرابر میں کھڑے ہو گئے ۔صحابہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر یہیں آ گئے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا !

ومَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَ يَنقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗوَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

ترجمہ: محمد ؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں ، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے ؟1 یا د رکھو! جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکرگزار بندے بن کر رہیں گے انھیں وہ اس کی جز ا دے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ۔واللہ ایسا لگتا تھا ۔کہ لوگوں نے پہلے جانا ہی نہ تھا کہ اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ہے ۔یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی

تلاوت کی -تو سارے لوگوں نے ان سے یہ آیت اخذ کی اور تب سےجب کوئی کسی انسان کو سنتا تو وہ اس کی تلاوت کر رہا ہوتا۔-

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ "واللہ میں نے جونہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا- تو جان لیا کہ یہ برحق ہے- بس میں ٹوٹ کر رہ گیا-حتی کہ میرے پاؤں مجھے اٹھا ہی نہیں رہے تھے- اور میں زمین کی طرف لڑھک گیا اور میں جان گیا -کہ واقعی نبی ﷺ کی وفات ہوچکی ہے-"

خلافت کے لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب:

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب سے اہم مسئلہ یہ تھا- کہ ایک امیر منتخب کیا جائے- جو عوام اور ملک کے معاملات چلانے کے لیے آپﷺ کا جانشین ہو۔ اس سلسلے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ وہ نبی ﷺ کے خاص قریبی ہیں۔ چنانچہ وہ حضرت زبیر نیز بنو ہاشم کے کچھ لوگ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں جمع ہوئے۔ جبکہ انصار نے اپنے میں سے ایک امیر منتخب کرنے کے لیے سقیفہ بنی سعد یہ جگہ تھی۔ جہاں گاؤں کے سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں -(اسمبلی کی جو جگہ ہوتی ہے قومی اسمبلی کی جو بلڈنگ ہوتی ہے یوں سمجھ لیں۔) تو سقیفہ بنی سعد میں اجتماع کیا ۔ باقی مہاجرین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے ہو لیے -حضرت حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سقیفہ بنی سعد تشریف لے گئے- ان کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ اور دوسرے مہاجرین بھی تھے- حضرت ابوعبیدہ کا کیا لقب ہے؟ امین الامت۔ وہاں مہاجرین اورانصار میں بحث و گفتگو ہوئی -انصار نے اپنی فضیلت کا ذکر کیا- حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا -واقعی آپ لوگ اس کے اہل ہیں- لیکن عرب اس کی حفاظت کے لیے قریش کے سوا کسی کو جانتے۔ یعنی وہ قریش کے سوا کسی اور کی حکمرانی تسلیم نہیں کرسکتے -وہ عرب میں نسب اور گھرانے دونوں لحاظ سے افضل ہیں ۔پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پکڑے یعنی ان میں سے کسی کو امیر بنا لیں -اور فرمایا میں آپ کے لیے ان دونوں میں سے کسی بھی ایک کو پسند کرتا ہوں -اس پر انصار کے ایک آدمی نے کہا -ایک امیر ہم میں سے ہو -اور ایک امیر آپ لوگوں میں سے اس پر بڑا شور ہوا -آوازیں بلند ہوئیں اور اختلاف کا خطرہ ہو ا -لہذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا ہاتھ پھیلائیے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہاتھ پھیلایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اور مہاجرین اور انصار نے بیعت کرلی۔ کس کے ہاتھ بیعت ہوئی؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ۔ اور ویسے بھی آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اپنی نماز کی جگہ جس کو کھڑا کیا وہ کون تھے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ -اور اس کے باوجود آپﷺ نے باقاعدہ نہیں فرمایا کہ کون امیر ہو گا؟ عوام کے مشورے سے ان کی رائے سے امیر مقرر کیا جائے -کسی کی گردن پر کسی کو لاکر بٹھا نہ دیا جائے-یعنی آپ ﷺ کی مرضی اس سے بھی معلوم ہوتی ہے- لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس معاملے کو اپنی زندگی میں طے نہیں کیا۔ اور اب کیا ہے؟ کہ لوگ نسل در نسل بیعت لے لیتے ہیں-اپنی موجودگی میں ، میرے بعد میرا بیٹا اس کے بعد اس کا بیٹا اس کے بعد اس کا بیٹا تو یہی بادشاہت ہے

تجہیز و تکفین و تدفین:

منگل کے روز رسول اللہ ﷺ کو کپڑے اتارے بغیر غسل دیا گیا -غسل دینے والے حضرات یہ تھے حضرت عباس، حضرت علی ،حضرت عباس کے دو بیٹے فضل اور قسم اور رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سکران، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت اوس بن خولہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کو پانی اور بیری کے پتوں سے تین بار غسل دیا گیا۔ پانی غص نامی قباء میں واقع حضرت سعید بن خصیمہ رضی اللہ عنہ کے کنویں کا تھا۔ آپ ﷺ پینے کے لیے بھی اس کنوئیں کا پانی

استعمال فرمایا کرتے تھے ۔یعنی اچھا میٹھا پانی پھر آپ ﷺ کو تین سفید سوتی چادروں میں کفنایا گیا ۔ ان میں کرتہ اور پگڑی نہ تھی- بس آپ ﷺ کو چادروں میں لپیٹ دیا گیا -حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسی جگہ آپ ﷺ کی قبر کھو دی- جہاں آپ ﷺ نے وفات پائی تھی ۔قبر لحد والی کھودی- پھر آپ ﷺ کی چارپائی قبر کے کنارے پر رکھ دی گئی۔ دس دس صحابہ کرام اندر داخل ہوتے اور فردا فردا نماز پڑھتے۔ کوئی امام نہ ہوتاسب سے پہلے آپ ﷺ کے خانوادے نے نماز پڑھی- پھر مہاجرین نے پھر انصار نے پھر بچوں نے پھر عورتوں نے یا پہلے عورتوں نے پھر بچوں نے نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن اور بدھ کی بیشتر رات گزر گئی ۔ اس کے بعد رات کے آواخر میں آپ ﷺ کا جسد پاک سپردخاک کیا گیا ۔

تو یہ آپ نے پڑھا کہ نبی ﷺ کا وصال اور اس کی تمام تفصیل - آیت 144 جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت پڑھی۔ جبکہ صحابہ بہت پریشان تھے ۔ کیا بات بتاتی ہے ؟ کتنے زیادہ سمجھ دار تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ۔ کہ صحابہ ایک سکتے کی کیفیت میں تھے پریشان تھے ۔ غم اور خوشی دو موقعے ایسے ہوتے ہیں- کہ جب انسان اپنے حواس میں نہیں ہوتا یا اپنے جذبات پر قابو نہیں پاتا -اور شیطان اس پر غالب آ سکتا ہے -یا شیطان اس کو غلط وسوسے دے سکتا ہے۔

یہاں پر بھی اس آیت144 کا ہم پھر **ترجمہ** پڑھتے ہیں -

آپ ﷺ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں -تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤگے- یاد رکھو جو الٹا پھرے گا- وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا -البتہ جو لوگ اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے -انہیں وہ اس کی جزا دے گا ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صحابہ کو تسلی دے رہے ہیں- اور ان کو یہ بتا رہے ہیں- کہ غزوہ احد میں جب پیارے رسول ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہو گئی تھی -تو اکثر صحابہ کی ہمتیں ٹوٹ گئی تھیں- عبداللہ بن ابی اور منافقین آپ ﷺ کے ساتھ لگے رہے تھے ۔وہ کیا کہہ رہے تھے ؟ منافق کہہ رہے تھے -آؤ عبداللہ بن ابی کے پاس چلتے ہیں- کہ وہ ابو سفیان سے ہمیں پناہ لے دے کہ اب تو رسول ﷺ دنیا سے چلے ہی گئے۔ اور اگر وہ اللہ کے رسول ہوتے تو قتل ہی کیوں ہوتے یا شکست کیوں ہوتی۔ تو چلو اپنے آبائی دین کی طرف پھر جائیں۔

یہاں جو بات بتائی جارہی ہے -وہ کیا ہے -کہ اصل وابستگی اسلام سے ہے -دین سے ہے نہ کہ کسی شخص سے- شخصیت پرستی کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ ۔کہ ادھرآپ ﷺ دنیا سے رخصت ہوئے اور ادھر لوگ کفر کی طرف پلٹ جائیں ۔تو اللہ تعالیٰ کو ایسے دین کی پھر ضرورت بھی نہیں ہے۔ کہ اگر لوگ ایسا معاملہ کریں-کہ دین کو کسی فرد کے ساتھ مخصوص کر دیں ۔ اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو یہ بات سمجھائی ہے۔ کہ یعنی رسول اللہ ﷺ بھی ایک انسان تھے ۔اور ایک انسان ہیں اور اس سے پہلے بھی جتنے رسول گزرے -وہ سارے انسان ہیں۔ ان کو بھی موت آئی ۔تو اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی موت آئے گی۔

تو ہونا کیا چاہیئے -کہ اگر کوئی شخص دین سے پھر جاتا ہے ۔کہ اللہ کے نبی زندہ نہیں رہے موجود نہیں رہے- تو پھر اللہ کا تو کوئی نقصان نہیں کرے گا۔ **فَلَن يَضُرَّ ٱللَّهَ شَيۡـٔٗا**ۗ کو تو کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا -بلکہ کیا ہے اس سے اپنا نقصان کرے گا-**وَسَيَجۡزِي ٱللَّهُ ٱلشَّٰكِرِينَ** اور جو اللہ کے شکر گزار بندے ہیں ۔اللہ کو یاد کرتے ہیں اطاعت کرتے ہیں -اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے گا۔

پھراصل چیز کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوجو اسلام دیا ہے تو وہ اسلام کی قدردانی کریں۔ اور اسلام کے مطابق اللہ کے حقوق پہچانیں اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں۔

آیت 145 :

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًا ۗ وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا نُؤْتِهِۦ مِنْهَا وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلْـَٔاخِرَةِ نُؤْتِهِۦ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى ٱلشَّٰكِرِينَ

ترجمہ: کوئی ذی رُوح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔ جو شخص ثواب دنیا کے ارادہ سے کا م کر ے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے، اور جو ثواب آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَن تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ ٱللَّهِ كِتَٰبًا مُّؤَجَّلًا یہاں پر ایک بہت اہم نکتہ مسلمانوں کے ذہن نشین کیا جا رہا ہے، اور وہ کیا ہے، کہ موت کا وقت مقرر ہے ۔کوئی شخص نہ تو اللہ کے مقرر کیے وقت سے پہلے مر سکتا ہے- اور نہ ہی اس کے بعد وہ جی سکتا ہے ۔کیوں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے موت کا وقت مقرر کر دیا ہے ۔کوئی شخص اس میں کمی بیشی نہیں کر سکتا ۔اور کیا ہوتا ہے ۔کہ یعنی کسی پر کوئی مصیبت آتی ہے ،کوئی حادثہ پیش آتا ہے، تو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ اچھا اگر اس وقت فلاں کے لیے نہ گئے ہوتے۔ مثلا کسی کا بیٹا اس لیے فوت ہو گیا ۔کہ وہ کسی کوسواری دینے گیا ہوا تھا ۔راستے میں حادثہ ہوا تو فوت ہو گیا۔ اب یہ کہ اگر میرا بیٹا اس کو سواری دینے نہ گیا ہوتا تو فوت نہ ہوتا۔ اگر فلان ٹرین میں سفر نہ کیا ہوتا ۔تو نہ مرتے ۔کیوں چلے گئے ۔فلاں جہاز میں نہ بیٹھے ہوتے ۔ تو یہاں پر یہ حقیقت بتائی جارہی ہے- کہ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرسکتا ۔جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے ۔
ایک دفعہ ایک جہاز تھا ۔جو نیویارک میں سمندر میں گر گیا تھا ۔اور پچھلی کسی دوسری جگہ سے آیا تھا اور تھوڑی دیر چلنے کے بعد وہ سمندر میں گر گیا تھا ۔ عربی لوگ بھی بہت تھے ۔جن کو اللہ نے مارنا نہیں تھا ۔وہ کنفرم سیٹ پر بیٹھے ۔ پچھلی سٹیٹ سے آئے۔ لیکن نیویارک آ کر وہ اتر گئے ۔کوئی پروگرام ان کا تبدیل ہو گیا اور جو چانس پر تھے۔وہ اس میں جا کر بیٹھے۔ اور جہاز تھوڑی دیر بعد جب اڑا تو جہاز سمندر کے اندر غائب ہی ہو گیا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ختم ۔لاشیں تھیں بڑا کہرام مچا تھا ۔اسی طرح جب یہ 911کا واقعہ ہوا ہے۔ اس کے بعد بھی ایسا ہوا تھا ۔کہ ایک جی ایف کے(JFK) ایئرپورٹ سے جہاز اڑا۔ اور پھر ہاروڈ بیچ کے علاقے میں تھوڑا آگے جا کے یہ گر گیا۔ اس کے اندر کوئی اپنی فنی خرابی تھی۔ جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور وہاں پر ایسے گھر کے اس کی زد میں آئے ،کہ جس کے لوگ جہاز پہ سفر بھی نہیں کرتے تھے وہ ڈرتے تھے۔ پھر بھی موت جہاز کے وجہ سے واقع ہوئی۔ کہ جہاز وہاں پہ آگر گرا اور وہ مر گئے۔ اخبارات میں یہ واقع بھی بیان ہوا تو اصل بات کیا ہے ؟کہ اللہ تعالیٰ یہ بات بتانا چاہتے ہیں۔ کہ جب موت آتی ہے تو ظاہری اسباب بن جاتے ہیں ۔یہ نہیں ہے کہ اس وجہ سے موت آئی۔ موت تو آنی ہی تھی اور جب موت کا وقت ہوتا ہے انسان اگر کسی کمرے میں بیٹھا ہو اپنے محل میں بیٹھا ہو کہیں بھی ہو تو جب موت کا وقت آتا ہے تو انسان اس طرف نکل کھڑا ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انسان اس کی تدبیریں اس کو موت سے اور اللہ کی پکڑ سےفرشتے کا جو جان نکالنا ہے ۔اس سے بچا سکتی ہیں ایسا نہیں ہے ۔بلکہ کیا ہے کہ جب موت کا وقت ہوتا ہے کسی کا بھی ۔تو بس بہانے بنتے ہیں۔ کیونکہ موت تو آنی ہے

سورۃ نساء آیت 78 أَيْنَمَا تَكُونُوا۟ يُدْرِككُّمُ ٱلْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِى بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ

ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں پالے گی ۔اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں۔
تو مقصد یہ بتانا ہے کہ مسلمان یہ حسرت نہ کیا کرے ۔اگر مگر کے چکر میں نہ پڑے رہیں۔ ان کو یقین ہو جائے کہ ہاں جو لکھا ہے وہ آکے رہناہے۔ تاکہ مسلمان بہادر بن جائیں ۔ان کا عقیدہ بالآخرت مضبوط ہو جائے ۔موت کا وقت لکھا ہواہے- تو اس کی فکرنہیں کرنی چاہیے- کہ میں مر جاؤں گا یا

مر جاؤں گی -فکر تو اس بات کی ہونی چاہیے -کہ زندگی کی' جو مہلت بھی ملی ہے- وہ میں کیسے - گزاروں- اور میں مروں گی کس طرح - میرے اعمال کیا ہوں گے ، میں جاؤں گی اللہ کے پاس تو کس حال میں جاؤں گی-

وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا نُؤْتِهِۦ مِنْهَا جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادے سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے- **وَمَن يُرِدْ ثَوَابَ ٱلْـَٔاخِرَةِ نُؤْتِهِۦ مِنْهَا ۚ وَسَنَجْزِى ٱلشَّـٰكِرِينَ** اور جو شخص آخرت کے ارادے سے کام کرے گا وہ آخرت کا ثواب پائے گا اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور دیں گے-

یہاں پر **ثَوَابَ** کا لفظ عمل کے نتیجے کے طور پر استعمال ہوا ہے- **ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا** سے مراد کیا ہے؟ وہ فائدے ، وصیّت، نفع جو انسان کو اس کے عمل کے نتیجے میں دنیا میں مل جائے- تو **ثَوَابَ ٱلْـَٔاخِرَةِ** سے مراد کیا ہے؟ وہ فوائد اور منافع کہ کوئی انسان جب عمل کرے تو آخرت میں اس کے عمل کے نتیجے میں وہ اس کو ملے تو اس کے لئے **ثَوَابَ ٱلْـَٔاخِرَةِ** استعمال ہوا ہے- یہ آیت بہت اہم ہے -اس سے مراد کیا ہے کہ انسان جو عمل کرتا ہے- کس لئے کرتا ہے اس کی نیت کیا ہے ؟کہ اگر کوئی جہاد پر بھی جا رہا ہے تو اس کی نیت کیا ہے- کیا رب کی رضا ہے -یا یہ کہ مجھے نقصان تو کوئی نہ ہو- لیکن یہ کہ اگر نقصان نہیں ہے -تو میں ساتھ ہوں اگر نقصان ہو تو میں ہٹ جاؤں -

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا واقع آپ سب کو معلوم ہی ہوگا -کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا -تو اس وقت انہوں نے کیا کہا تھا؟ا -نہوں نے یہ بات کہی تھی- کہ خدا کی قسم- میرے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے -جس میں تلوار اور نیزے کا نشان موجود نہ ہو- لیکن موت میدان جنگ میں نہیں -بلکہ گھر پر بستر مرگ پر آ رہی ہے-

گھر کے بستر پر مرگ کا وقت آیا -اور ان کا کوئی جسم کا حصہ ایسا نہیں تھا -جہاں پر نیزے کے تلوار کے انی کے تیروں کے مختلف نشان نہ لگے ہوں -اور ان کو شہادت کی تمنا تھی -ہمیشہ جرنیل بن کر دلیر ہو کر آگے ہو کے لڑےلیکن شہید نہیں ہوئے- اللہ نے ان کی موت ایسے نہیں لکھی تھی- تو آپ دیکھ لیں کہ جیسے لکھی ہوتی ہے -ویسے ہی وہ ہو کر رہتی ہے- تو موت کا جنگ سے اور میدان جنگ سے کوئی تعلق نہیں ہے- یہ تو ایک مقرر کیا ہوا وقت ہے- اور کوئی انسانی تدبیر مرنے والے کو موت سے بچا نہیں سکتی - ایک حادثہ ہوا تھا - ملتان کے قریب کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک فیملی تھی زیادہ تر لوگ اس کے مر گئے تھے- دو ماہ کا جو بچہ یا بچی تھی دروازہ کھلا اور وہ باہر سڑک پر گر گیا- حالانکہ کتنی گاڑیاں گزرتی ہیں وہ بچ گئیں - اور جو اندر محفوظ تھے-وہ لوگ مر گئے -اس بات پر یقین ہو کہ موت جب آنی ہے اللہ کی اجازت سے آنی ہے - بعض اوقات لوگ کہتے ہیں کہ باہر نکلیں گے جہاد کریں گے تو موت آجائے گی یا اگر دنیا میں کوئی کام کرتے ہیں- تو فائدے لینے کیلئے کرتے ہیں- اور ایسا ہوتا ہے کہ دنیا میں بھی بعض اوقات آپ کسی اچھے کام کیلئے نکلتے ہیں -خدا نہ خواستہ گاڑی کو ٹکٹ لگ گیا- لوگ کیا کرتے ہیں سوچنے لگتے ہیں کہ پتہ نہیں میں مسجد جا رہی ہوں -پتہ نہیں مسجد جانا ٹھیک بھی ہے -کیونکہ ٹکٹ لگ گیا -تو جب آپ اپنے دنیا کے کام کر رہے ہوتے ہیں -تب ٹکٹ نہیں لگتا جب عام روٹین میں کام کر رہے ہوتے ہیں تب حادثے نہیں ہوتے - اگر کوئی دین کا کام کرتے ہیں نقصان ہو جاتا ہے- تو لوگ باتیں کرنے لگتے ہیں- اصل بات کیا ہے ؟کہ شیطان ساتھ لگا ہواہے- جب نیکی پر انسان چلنا چاہتا ہے تو بڑی سخت آزمائش میں ہوتا ہے -دنیا کے لیے جب نقصان ہوتا ہے کوئی کچھ نہیں کہتا -دین کے لیے جب نقصان کوئی بھی ہو جائے تو دنیا انگلیاں اٹھانے شروع کر دیتی ہے- تو لوگوتمہاری نیتیں کیا ہیں؟ تمہاری سوچیں کیا ہیں؟ تمہاری ارادے کیا ہیں ؟دنیا چاہوگے تو ہم دنیا میں دے دیں گے دینے والے تو ہم ہیں اللہ کی ذات ہے- آخرت چاہوگے تو آخرت میں ملے گا -اور بہت کچھ ملے گا-

حدیث : «إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ» عملوں کا دارو مدارنیتوں پر ہے-

مفہوم حدیث :

اسی طرح سے دور نبوی ﷺ میں ایک صحابی نے مسجد نبوی کی طرف اپنے مکان کی کھڑکی رکھی آپ ﷺ نے پوچھا یہ کھڑکی کیوں رکھی اس نے جواب دیا- اس لیے کہ ہوا آتی جاتی رہے- آپ ﷺ نے فرمایا -اگر تم یہ نیت رکھتے -کہ ادھر سے آذان کی آواز آئے- تو تمہیں ثواب بھی ملتا رہتا اور ہوا تو بہرحال آنا ہی تھی-

تو غور کیا جائے تو یہی وہ بات ہے کہ انسان بہت سے کام جب کرتا ہے -تو نیت بنائے کہ وہ کیوں کر رہا ہے ۔مثلا شوہر اپنے بیوی بچوں کو پالتا ہے- وہ یہ سمجھتا ہے -کہ یہ میرا فرض ہے -مجھے کرنا ہی چاہیے وہ یہ نیت بھی کر سکتا ہے- یہ اللہ کا حکم ہے ۔کہ نان نفقہ کی ذمہ داری ہے- یہ اللہ کا حکم ہےتاکہ اس کو آخرت میں بھی ثواب ملے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان کسی سے کوئی فائدہ چاہتا ہے- تو اس کی مدد کرتا ہے اور اگر ایسے سوچے کہ حقوق العباد ہے۔ مجھے کرنا ہی چاہیے- فوائد تو مل ہی جاتے ہیں ۔لیکن نیت کیا ہے ارادہ کیا ہے۔ یہ آیات قرآن کی ان بنیادی آیات میں سے ہیں -جس سے یہ پتا چلتا ہے -کہ انسان کے اخلاق اور کردار میں اصل فیصلہ کن چیز کیا ہے۔ فیصلہ کن سوال کیا ہے؟ کہ حیات دنیا میں وہ جو دوڑ دھوپ کر رہا ہے۔ وہ جو کچھ بھی کر رہا ہے- تو وہ کام کرتے وقت نتائج دنیا پر نظر رکھتا ہے- یا آخرت کے نتائج پر تو ہونا۔ کیا چاہیے کہ آخرت کے نتائج پر نظر رکھنی چاہیے ۔مجھے کسی بزرگ کی یہ بات بڑی اچھی لگتی ہے ۔کہ دنیا اور آخرت کی مثال تو ایسی ہے -جیسے کہ پرندہ اور اس کا سایہ - تم سایہ کے پیچھے بھاگتے ہو- جو کہ دنیا ہے- کبھی اس کو پکڑ نہیں سکوگے- اگر تم پرندہ کو پکڑو- تو سایہ تمہارے قدموں میں آ جائے گا۔ اور پرندہ آخرت ہے۔ اور حقیقت ہے- آپ کبھی سوچیں زندگی میں کبھی بھی کسی معاملے میں کہ اگر آپ نیت کر لیتے ہیں کہ میں آخرت کے لیے یہ کام کرنا چاہتی ہوں۔ اور آپ کا رجحان آخرت ہے -تو نتیجہ کیا نکلتا ہے دنیا میں بھی اللہ بڑی عزت دیتا ہے ۔بڑی دولت ملتی ہے بڑااچھا گھر بڑی اچھی گاڑی ہے ۔ لیکن آخرت پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ اور اصل چیز کیا ہے ؟اسلام اور دین۔ بعض اوقات دنیا کی تعلیم کے لیے ہم کہتے ہیں ۔بچے بیچارے نمازیں پڑھیں گے تو دیر ہو جائے گی۔ اب قرآن کے لیے کہاں وقت ہے۔ دین سیکھنے کا کہاں وقت ہے -تو ان کو حلال حرام کی تمیز نہیں بتاتے ۔

جیسے یہاں بھی فیملی ۔ ماں بھی نوکری کرتی ہے باپ بھی نوکری کرتا ہے ۔ اب کیا ہوا -کہ جب بچے بڑے ہوئے -تو وہ بھی ڈالر کمانے کی مشین بن گئے- اور ماں یہاں پر old houses میں ہے -ماں روتی ہے کہ بچے حقوق ادا نہیں کرتے ۔تو بچے کہتے ہیں- کبھی تم نے بتایا ہی نہیں تھا- ہمیں کہ ماں کے حقوق ہوتے کیا ہیں۔ یعنی ڈالر تو دیا لیکن یہ بتایا نہیں کہ انسانیت کیا ہے۔ آپس میں رشتے ناطے کیا ہیں ۔

تو اس سے ہمیں کیا پتا چلتا ہے -ہمیں ضرور سوچنا چاہئے -کہ ہم جو بھی کام کر رہے ہیں -کس لیے کر رہے ہیں۔ کیوں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں- کہ جو دنیا کے ثواب کے ارادے سے کام کرے گا -اس کو ہم دنیا ہی میں دے دیں گے ا-س سے مراد یہ بھی ہے ۔کہ جیسے کافر ہیں -جو اسلام قبول نہیں کرتے اور وہ جو کچھ چاہتے ہیں -دنیا کے لیے چاہتے ہیں۔ تو بس دنیا ہی میں ان کو مل گیا۔ اور جو ثواب آخرت کے ارادے سے کام کرے گا- وہ آخرت کا ثواب پائے گا- اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور دیں گے ۔شکر کرنے والوں سے مراد کون لوگ ہیں ؟جو اللہ کی نعمتوں کے قدر شناس ہوتے ہیں۔ جو دین کی صحیح تعلیم سے آشنا ہوتے ہیں -اور وہ سمجھتے ہیں- کہ دنیا کی زندگی بہت مختصر ہے۔ یہ چند سالہ جو دنیا کی زندگی ہے۔ اس میں جو کوششیں ہیں- محنتیں ہیں کچھ بھی نہیں ہے-

حدیث مفہوم:

آپ ﷺ نے فرمایا ۔کہ اگر تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی انگلی کو ڈبوئے۔ اور انگلی کو جو لگ جائے پانی کی بوند وہ تو دنیا ہے ۔اور باقی سارا سمندر آخرت ہے۔
وہ بوند جو انگلی کو لگی ہے۔ اس کے لیے آج انسانیت دوڑ رہی ہے ۔کتنی محنت اور مشقت کرتے ہیں۔ بوند کے لیے تو اتنی محنت اور مشقت اور رونا اور چیخنا اور چلانا اور وہ جو پورا سمندر ہے۔ اس سے ہم بے نیاز ہیں۔ غفلت میں بھولے ہیں ۔تو یہاں بھی بتایا جارہا ہے۔ کہ دنیا پرستی کی تنگ نظری میں مبتلا مت ہو ۔بلکہ کیا ہے ۔ آخرت کی فکر کرو۔ اور آخرت کے نتائج کی طرف جھک جاؤ ۔اور جو بھی کوشش کرو۔ تو یہ ضرور سوچو کہ آخرت میں اس کے نتائج خیر نکلیں گے کہ نہیں ۔اور کیسے نتائج نکلیں گے۔ یہ ہے شکر گزاری۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ کہ ایسے شکر گزاروں کو عنقریب دیں گے ۔

آیت 146: وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قَٰتَلَ مَعَهُۥ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُواْ لِمَآ أَصَابَهُمْ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَمَا ضَعُفُواْ وَمَا ٱسْتَكَانُواْ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّٰبِرِينَ

ترجمہ:اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گز ر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے خدا پرستوں نے جنگ کی۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی ، وہ (باطل کے آگے)سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔
پہلے نیک بندوں نے بھی نبیوں کا ساتھ دیا۔ اللہ کی راہ میں ان کو مصیبتیں آئیں تو اس سے پریشان نہیں ہوئے۔ اور آپ نے پیچھے بھی واقعہ پڑھا تھا۔ جالوت کا اور طالوت علیہ السلام کا ۔تو جو اللہ والے تھے وہ تو دل شکستہ نہیں ہوئے۔وہ ثابت قدم رہے ۔تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔کہ آج ایسا نہیں ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی مسلمان اور صحابہ غزوہ احد کی موقع پر یا مختلف غزوات کے موقع پر جہاد کر رہے ہیں ۔بلکہ یہاں پر یہ مثال دی گئی ہے۔ کہ کتنے نبیوں کے ساتھ ان کے زمانے کے نیک بندے تھے ۔انہوں نے نبیوں کا ساتھ دیا ہے ۔اور پھر کیا ہوا۔ اس میں کبھی شکست ہوئی کبھی فتح ہوئی مصیبتیں آئیں تکلیفیں آئیں لیکن اس کا ان پر کوئی اثر نہیں پڑا ۔کیا اثر نہیں پڑا پہلی چیز کیا تھی ۔ **فَمَا وَهَنُواْ** ان کی ہمتیں کمزور نہیں ہوئیں ا۔ن کے دل تنگ نہیں ہوئے۔ ایسے نہیں تھا کہ وہ پریشان ہو جاتے۔ **فَمَا وَهَنُواْ لِمَآ أَصَابَهُمْ** جو بھی مصیبت پڑی ۔اس پر وہ کمزور نہیں ہوئے **فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ** اللہ کے راستے میں۔ دنیا کے راستے میں لوگ کمزور نہیں ہوتے ۔جہاں دنیا کی بات ہو جہاں ڈالر کی بات ہو ۔جہاں پہ بہت سی دنیا کی ترقی کی بات ہو تو لوگ پریشان نہیں ہوتے ۔کہتے ہیں کہ ہوتا ہی ہے ۔تو اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں۔ کہ اللہ کے راستے میں بھی ایسے نیک لوگوں نے جہاد کیا ہے۔ اور یہ اشارہ ہے۔ ان تمام جنگوں کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام اور بعض دوسرے انبیاء نے لڑی ہیں۔ اس میں حضرت شموئیل کے زمانے کی جنگ کا ذکر بھی ہے۔ جو غزوہ بدر سے ملتی جلتی جنگ تھی۔ اللہ تعالیٰ یہاں پر اپنا ایک قانون بتا رہے ہیں۔ کہ انبیاء کی یہ سنت رہی ہے اور اللہ کے یہ قانون کا تقاضا رہا ہے ،کہ جو بھی نبی اور نیک لوگ تھے وہ امتحانوں میں سے گزرے ہیں ۔ضرور ان کے اوپر امتحانات آئے ہیں۔ آزمائشیں آئیں ہیں تو کسی کا پتا نہیں چل سکتا ۔جب تک امتحان نہ آئے کہ وہ جھوٹا ہے کہ سچا وہ واقعی کھرا ہے یا کھوٹا ۔
وَمَا ضَعُفُواْ اور نہ ہی انہوں نے کمزوری دکھائی۔ **وَمَا ٱسْتَكَانُواْ ۗ** اور نہ ہی انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے۔ یعنی باطل کے آگے سرنگو نہیں ہوئے **وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلصَّٰبِرِينَ** ایسے ہی صابروں کو اللہ پسند کرتا ہے۔ یعنی تعداد کی کمی تھی۔ سر و سامان کم تھا ۔کفار بہت زیادہ تھے اور سب کچھ دیکھ کر بھی وہ پریشان نہیں ہوئے ۔بلکہ انہوں نے صبر کیا۔ جس کے اندر ذوق اور استقامت ہو۔ تو دراصل یہ صبر

ہے۔ اور یہاں پر یہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ پہلے تو یہ کہ انہوں نے صرف باتیں نہیں کیں -جہاد کیا کوشیشیں کیں اور کمزوری نہیں دکھائی۔ صبر کیا ۔ایسے نہیں تھا کہ مصیبت کے وقت میں وہ منافقوں کی طرح یہ کہہ رہے تھے -کہ ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب تو بہت مشکل ہے۔ گرمی کا موسم ہے اور کیا کریں گے۔ اور ہم ایٹم بم کا مقابلہ پتھروں سے نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ روس کا مقابلہ افغانستان کے نہتے مسلمانوں نے پتھروں سے کیا۔ ہر دور میں اللہ نے لوگوں کو آزمایا ہے -ایسا نہیں تھا ۔کہ انہوں نے شک اور شبہات پیدا کیے۔ بلکہ انہوں نےکوشش کی۔

آیت 147: وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَن قَالُواْ رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِىٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ

ترجمہ:ان کی دعا بس یہ تھی کہ، "اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اُسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر"۔

دعا:

رَبَّنَا ٱغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِىٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ

ترجمہ: "اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا ہو اُسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر"۔

تو انہوں نے اپنے قصوروں کی معافی مانگی -اور اللہ کی طرف رجوع کیا -کوشش بھی کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ ان کی زبانوں پر دعائیں تھیں ۔اور دعائیں کیا تھیں ؟سب سے پہلے رَبَّنَا یعنی ان کو اپنا رب یاد تھا ،ان کو بھروسہ اپنے مال پر اور اسلحہ پر اور اپنی تعداد کی کثرت پر نہیں تھا۔ دوسری بات کیا تھی۔ **ٱغْفِرْ لَنَا** کہ ہمارے رب ہمیں بخش دے۔ اگر ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہے ہم سے کوئی بھول ہوگئی ہے ۔تیری اطاعت میں کوئی کمی بیشی ہوگئی ہے ۔تو ہمیں معاف کر دے ۔ہمیں بخش دے ۔کیا چیز بخش؟ **ذُنُوبَنَا** ہمارے گناہ۔

پھر **وَإِسْرَافَنَا فِىٓ أَمْرِنَا** اور ہمارے معاملات میں اگر کچھ زیادتی ہوگئی ہے۔ یعنی کوئی کوتاہی ہوگی ہے -تو اس کو بھی معاف کر دے۔ **وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا** اور ہمیں ثابت قدمی دے۔ معنی کہ ہمارے قدم جما دے ہمیں مضبوط کر۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ شیطان کی وجہ سے ہم پھسل جائیں ۔ہم ڈر جائیں۔ **وَٱنصُرْنَا عَلَى ٱلْقَوْمِ ٱلْكَٰفِرِينَ** اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔

موجودہ حالات میں یہ دعا بہت خوبصورت ہے-اور اسی طرح جب بھی کوئی بھی انفرادی یا اجتمائی طور پر مسلمانوں پر جب سخت دن آئیں۔ تو ان کو یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ اور اللہ تعالی سے یہ مانگنا چاہیے۔ کہ اللہ تعالی تو ہماری مشکلات اور پریشانیوں کو دور کر دے۔ تو یہاں پر بھی یہی بات بتائی جاری ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالی سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ وہ اللہ کے قریب ہو رہے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ ہتھیار چھوڑ دئیے تو یہ دعا بھی ہمیں یاد کرنی چاہیے۔

،

آیت 148: فَـَٔاتَىٰهُمُ ٱللَّهُ ثَوَابَ ٱلدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ ٱلْـَٔاخِرَةِ ۗ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ

ترجمہ: آخرکار اللہ تعالی نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا۔ اور اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔

یہاں پر بھی جو بات کہی جاری ہے وہ کیا ہے کہ چونکہ ان کی فکر رب کی رضا تھی۔ اور وہ اپنی غلطیوں سے معافی بھی مانگ رہے تھے ۔تو ان کو یہ صلہ ملا کہ دنیا میں بھی اللہ نے ان کو اقتدار

دیا حکومت دی اور آخرت میں ان کے لیے نہایت اعلی انعام موجود ہے ۔پھر ساتھ یہ بھی بتا دیا ۔کہ یہی وہ لوگ ہیں جو احسان کے اعلی درجے پر فائز ہوں گے ۔اور اللہ ایسے ہی لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ اللہ کی محبت احسان کے درجے کی نیکی کرنے والوں کو ملتی ہے۔ اور آخرت کا ثواب بھی انہی لوگوں کو ملتا ہے ۔تو یہاں کیا پتا چلتا ہے۔ کہ اپنی نیتوں کو درست کرنا چاہئے ۔اور اسلام قبول کرنے کے نتیجے میں انفرادی یا اجتماعی زندگی میں مصیبتیں آئیں ۔یا اسلام پر عمل کرنے کے نتیجے میں پریشانیاں آئیں ۔تو دل چھوٹا نہیں کرنا چاہئے ۔بلکہ اللہ سے دعا بھی مانگتے رہنا چاہئے۔ کہ اللہ ہمیں ثابت قدم رکھے۔ اور اپنے دلوں کا قبلہ درست کرنے کے ساتھ ہمیشہ عمل صالح پر استقامت کی دعا اور کوشش دونوں چیزیں کرنی چاہیئے۔ تو نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ دنیا بھی دے گا اور آخرت بھی دے گا۔ اور اس کے ساتھ اللہ کی محبت بھی ملے گی۔

آیت 149: يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَـٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَـٰسِرِينَ
ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو ، اگر تم ان لوگوں کے اشاروں پر چلو گے جنھوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے1 اور تم نامراد ہو جا ؤ گے۔

مسلمان کفر کی طرف سے نکل کر آئے تھے۔ تو ایسا نہ ہو کہ منافقین کی باتیں مسلمانوں کو پھر کفر کی طرف لے جائیں۔ اور منافقین کب باتیں کر رہے تھے؟ یہودی اور منافق احد کی شکست کے وقت مسلمانوں کے اندر یہ بات پھیلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہ اگر ﷺ واقعی نبی ہوتے تو شکست نہ کھاتے۔ اگر واقعی نبی ہوتے۔ تو پھر مسلمانوں کو نقصان نہ ہوتا۔ یہ تو بس ایک ڈھونگ تھا۔ جو کہ رچایا گیا ہے۔ اور پھر یہ بھی کہتے تھے۔ کہ اگر وہ نبی ہوتے تو وہ خود زخمی کیوں ہوتے۔ اگر وہ نبی ہوتے۔ تو پھر اتنے مسلمان کیوں شہید ہوتے۔ کتنے مسلمان غزوۂ احد میں شہید ہوئے؟ 70- تو یہاں ان منافقین کے جو فتنے ہیں - ان سے مسلمانوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے اور کفار اور منافقین کا پروپیگنڈا ہے وہ بتایا جا رہا ہے ۔اور ساتھ ہی اس کا جواب دیا جا رہا ہے۔

آیت 150:بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَـٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّـٰصِرِينَ
ترجمہ:(اُن کی باتیں غلط ہیں) حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔

اللہ تعالی مسلمانوں کو بتا رہے ہیں- کہ تم ان کی باتوں کا اثر قبول نہ کرنا ۔یہ تو جاہلیت کی تاریکی میں تمہیں واپس لے جائیں گے- یعنی اسلام ہی تم سے چھن جائے گا- اسلام میں تم آئے توروشنی ملی- اگر دوبارہ کفر میں چلے جاؤ گے- تو کیا ہوگا؟ اندھیرے میں چلے جاؤ گے ۔تمہاری کامیابی نامرادی میں بدل جائے گی - تو کرو کیا ؟اصل ولی کفار نہیں ، منافق نہیں ،کون ہے؟ **بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَـٰكُمْ** اللہ ہے تمہارا ولی اللہ ہے تمہارا دوست اور کارساز تو مشکلات اور مصیبت کی وقت اللہ کی طرف رجوع کیا کرو ۔اور اللہ سے رہنمائی مانگا کرو ۔اور تم اس سے رہنمائی مانگو وہ تو بہترین مدد کرنے والا ہے۔ **وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّـٰصِرِينَ** وہ بہترین حامی اور مددگارہے

آیت 151: سَنُلْقِى فِى قُلُوبِ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ ٱلرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُواْ بِٱللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَـٰنًا ۖ وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى ٱلظَّـٰلِمِينَ

ترجمہ: عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ اُنہوں نے اللہ کے ساتھ اُن کو خدائی میں شریک ٹھیرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے

کوئی سند نازل نہیں کی اُن کا آخری ٹھکانا جہنم ہے اور بہت ہی بری ہے وہ قیام گاہ جو اُن ظالموں کو نصیب ہوگی۔
جو دین کو چھٹلاتے ہیں ۔تو اللہ تعالیٰ ایسے منکرینِ حق کے دلوں میں اسلام کا مسلمانوں کا پیارے رسول ﷺ کا رعب بٹھا دیں گے ۔
حدیث: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا !مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔ ان میں سے ایک یہ ہے ۔ دشمن کے دل میں ایک مہینے کی مسافت پر میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی ہے ۔**بخاری و مسلم**
اس حدیث سے کیا پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا رعب مستقل طور پر دشمن کے دل میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی امت یعنی مسلمانوں کا رعب بھی مشرکوں پر ڈال دیا گیا ۔اور ان کے دلوں میں کیوں مسلمانوں کا رعب ڈالا گیا؟
ترجمہ: کفر کرنے والوں کے دل میں اسلام کا مسلمانوں کا پیارے رسول کا رعب ڈال دیا گیا۔
کیونکہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شرک کیا ہے ۔شرک کی وجہ کیا ہے ؟ اور اس شرک کی کوئی بنیاد بھی نہیں ہے ۔ یہ بس ایسے ہی باتیں بناتے رہتے ہیں۔ تو شرک کرنے والوں کا دل مسلمانوں کی طرف سے ہمیشہ لرزا اور ترسا رہتا ہے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اچھا اب پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔کہ آج مسلمانوں کا پھر رعب کیوں نہیں ہے۔ کافروں کے اوپر؟ اس لیے کہ آج مسلمان خود شرک کر رہے ہیں آج خود مسلمانوں کے اعمال خلط ملط ہو گئے ہیں۔کافروں کے اعمال سے نہ دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اور نہ ہی ان کا وہ رعب ہے ۔جو کہ ہونا چاہیے۔تو یہاں پر یہ بات بتائی جارہی ہے ۔کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رعب ان کے دلوں میں ڈال دے گا ۔اور اس کی وجہ کہ وہ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں ۔ **مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِۦ سُلْطَٰنًاۖ** جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند بھی نازل نہیں کی ۔ ایسا نہیں کہ ان کے پاس کوئی دلیل ہو ۔پھر فرمایا اس کے نتیجے میں شرک کے نتیجے میں ان کو ملے گا کیا ؟ **وَمَأْوَىٰهُمُ ٱلنَّارُ** ان کا آخری ٹھکانہ تو جہنم ہے ۔ **ٱلنَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى ٱلظَّٰلِمِينَ** اور بہت بری ہے وہ قیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی۔
یہاں پر ظالم سے مراد مشرکین ہیں ۔ شرک کو اسلام ظلم کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور انسان کی قوت اور عظمت اسی میں ہے۔ کہ انسان اللہ کو اپنا رازق حاکم مانے ۔ اس کو اپنا رب مانے اور جب وہ اپنی جیسی مخلوقوں کو اپنا رازق اور حاکم ماننے لگتا ہے۔ اس کی پرستش کرنے لگتا ہے ۔ تو وہ اپنی شاہینی کھو دیتا ہے۔ اپنی بلندی کو کھو دیتا ہے۔ پھر وہ حقیر ہوجاتا ہے۔ پھر وہ ظالموں میں سے ہوجاتا ہے۔
اور آپ نے پیچھے یہ پڑھا آیت نمبر 148 میں **وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ** اور پیچھے 145 میں پڑھا **وَسَنَجْزِى ٱلشَّٰكِرِينَ** تو وہاں پر شکر کرنے والوں کا انجام اور صبر کرنے والوں اور محسنین سے محبت اور آخرت میں انعام کا پڑھا تھا۔ اور یہاں پر کفر کرنے والے اور منافق اور اللہ اور اللہ کا ساتھ نہ دینے والے اسلام کا ساتھ نہ دینے والے ان کے بارے میں بتایا جا رہا ہے۔ کہ ان کو تو آگ ملے گی۔ اور وہ کتنا برا ٹھکانہ ہے۔

آیت 152: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ ٱللَّهُ وَعْدَهُۥٓ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِإِذْنِهِۦۖ حَتَّىٰٓ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَٰزَعْتُمْ فِى ٱلْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ مِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ ٱلْءَاخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ

ترجمہ:اللہ نے (تائید و نصرت کا)جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہےتھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا، اور جونہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے(یعنی مالِ

غنیمت)تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے---اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے--- تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کردیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔

تو شروع میں مسلمانوں کے حالات کیا تھے ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی فتح دی تھی- اور بڑی ہی نصرت دی تھی -اور یہاں پر وعدہ سچا کرنا سے مراد کیا ہے ؟ بعض مفسرین یہ کہتے ہیں- کہ تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کا نزول کچھ کی یہ رائے ہے -لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحیح رائے یہ ہے- کہ یہ جو مدد تھی- یہ غزوہ احد پر تو نہیں آئی تھی ۔تین ہزار کی یا پانچ ہزار کی۔ فرشتوں کا یہ نزول تو غزوہ بدر سے متعلق تھا- تو پھر یہاں اس سے مراد کیا ہے -یہ عام وعدہ ہے -فتح کا نصرت کا جو اہل اسلام کے لئے اور اس کے رسول کی طرف سے بہت پہلے سے کیا جا چکا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لئے یہ اعلان تھا -کہ تمہیں کیا ملے گا ۔ تمہیں کامیابی ملے گی -اور غزوہ احد تو شروع میں مسلمانوں کو کامیابی ہی تو مل رہی تھی ۔مسلمان کامیاب ہو رہے تھے اور بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ اور بعد میں جو نقشہ ایک دن میں پلٹ گیا تھا۔ یعنی ایسا نہیں تھا- کہ شروع میں ایسا ہوا تھا -تو یہ اسی طرف اشارہ ہے کہ اللہ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ تم سے کیا تھا۔ وہ تو اس نے پورا کر دکھایا ۔ ابتدا میں اس کے حکم سے ہی تو تم ان کو قتل کر رہے تھے ۔مگر پھر تم نے کیا کیا؟

حَتَّىٰٓ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَٰزَعْتُمْ فِى ٱلْأَمْرِ وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ ہرفتح شکست میں بدلتی کیوں نظر آنے لگی؟ تم سے کیا غلطیاں ہوئیں ؟پہلے چیز کیا تھی -کہ تم نے کمزوری دکھائی سست پڑ گئے ڈھیلے پڑ گئے۔ دوسری وجہ کیا تھی ؟اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا۔ کہ ایک شخص کی ایک رائے تھی -اور دوسرے شخص کی دوسری رائے تھی۔ کسی نے کچھ موقف لیا -اور کسی نے کچھ موقف لیا۔ تیسری غلطی تم سے کیا ہوئی؟ **وَعَصَيْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَآ أَرَىٰكُم مَّا تُحِبُّونَ** اور تم نے جونافرمانی کی یعنی اپنے سردار کی اپنے امیر کی نافرمانی کی-رسول اللہ ﷺ نے کیا فرمایا تھا ؟رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو احد کے درے پر کھڑا کیا تھا -پچاس صحابہ کے ساتھ اور پچاس پیدل آدمیوں کا افسر جب آپ کو مقرر کیا تھا- تو کیا تاکید کی تھی کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا نہ سرکنا خواہ تم یہ دیکھو کہ پرندے ہم کو اچک لے جائیں -جب تک کہ ہم تمہیں کہلا نہ بھیجیں اور اگر تم دیکھو- کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے- اور اسے کچل ڈالا ہے۔ تب بھی تم یہاں سے نہ ہلنا۔ جب تک کہ میں تمہیں پیغام نہ بھیجوں ۔تو شروع میں تو مسلمان کافروں کو مار کے بھگا رہے تھے۔

اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں -میں نے خود مشرک عورتوں کو دیکھا -کہ وہ اپنے کپڑے اٹھائے اور پنڈلیاں کھولے بھاگی جا رہی تھیں۔ یہ صورتحال دیکھ کرحضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا- اب غنیمت کا مال اڑاؤ -اور تمہارے ساتھی تو غالب آ چکے۔ اب کیا دیکھ رہے ہو- حضرت عبداللہ بن جبیر کہنے لگے -کیا تم وہ بات بھول گئے جو تمہیں رسول اللہ ﷺ نے کہی تھی- وہ کہنے لگے واللہ ہم تو لوگوں کے پاس جا کر غنیمت کا مال اڑائیں گے -جب وہ درہ چھوڑ کر لوگوں کے پاس آ گئے ۔تو پیچھے سے حضرت خالد بن ولید نے حملہ کر دیا ۔اور کافروں نے مسلمانوں کے منہ پھیر دیئے اور شکست کھا کر بھاگنے لگے ۔اور اللہ کا رسول ﷺ انہیں پیچھے سے بلا رہا تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی اور نہ رہا تھا ۔اور کافروں نے ہمارے ستر آدمی شہید کئے۔ جبکہ بدر کے دن مسلمانوں نے ایک سو چالیس۔ کافروں کا نقصان کیا تھا۔ ستر کو قید کیا تھا اور ستر کو قتل کیا تھا۔ اور پھر ساری باقی غزؤوں سے متعلق تفصیلی بات پہلے ہی پڑھ چکے ہیں -تو یہ مسلمانوں کی فتح شکست میں کیوں

بدلی ؟ ایک یہ کہ کمزوری ایک وجہ تھی۔ دوسری آپس میں اختلاف رائے کہ جب حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کہہ بھی رہے ہیں ،کہ نہیں ابھی اس جگہ کو نہیں چھوڑنا تو صحابہ اس کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور دنیا کے زندگی میں بھی ایسا ہوتا ہے -کہ مل جل کر جب ایک معاملہ طے ہو جائے اور جب وہ کر رہے ہوں- تو بیچ میں لوگ اختلاف کرنے لگتے ہیں۔ ہر شخص اپنی مرضی کرنے لگتا ہے تو کیا ہوتا ہے کہ پانسہ ہی پلٹ جاتا ہے۔ چیز متاثر ہو جاتی ہے اور نقصان ہونے لگتا ہے۔ جو چیز جو مقصد یا مشن ہوتا ہے پھر انسان کو ملتا نہیں ہے۔ تو یہ بہت بری بیماری ہے کمزوری کے ساتھ ساتھ کہ آپس میں جو بھی معاملہ ہو- اس میں اختلاف رائے کرنا۔ جب آپس میں مل جل کر مشورے سے ایک چیز طے ہو جائے -تو پھر اس میں اختلاف رائے نہیں کرنا چاہیے۔ کیا کرنا چاہیے -آپس میں مل جل کر بات کو کام کو پائیہ تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔ وہ کوئی عام ایک گھنٹے کا پروگرام ہو کوئی دو سال کی کلاس ہو- کہیں ایک دن کا ٹرپ بھی کیوں نہ ہو ۔تو جو چیزیں آپس میں مل جل کر اچھے سے طے ہو جائیں تو ان کو اچھے سے کرنا چاہیے ۔

مِّن بَعْدِ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ اور پھر تم نے نافرمانی کی یعنی رسول اللہ ﷺ کی صحابہ میں سے بعض سے نافرمانی ہو گئی تھی۔ اور اس کی بڑی وجہ کیا تھی ؟ **مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ** کہ کہ تمہیں وہ چیز نظر آگئی جس سے تم محبت کرتے تھے۔ تو کیا چیز نظر آئی تھی ؟ مال غنیمت دنیا کی محبت ۔ پہلے زمانے میں جب قبائلی نظام تھا -سود تھا اور جھگڑے تھے- لڑائیاں تھیں مال و دولت تھی۔ سب کچھ یہی تھا- صحابہ کی تربیت ہو رہی تھی۔ لیکن ابھی اس میں کچھ کمزوری تھی۔ یہی وجہ تھی- کہ غزوہ احد کے موقع پر مسلمان مال کی محبت سے مغلوب ہو گئے۔ تو اب یہاں پہ کہا جا رہا ہے- کہ وہ چیز تمہیں نظر آئی- تو تم نے اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ ایک بات اور پتا چلتی ہے وہ کیا ہے ؟کہ مہم جو بھی طے کرنے لگے ہوں-ایک گھنٹے پر مشتمل ہو دو دنوں پر یا دو سالوں پر جو بھی اس کا انچارج ہو -جو بھی اس کا امیر ہو ذمہ دار ہو اس کی اطاعت کرنی چاہیے، کہنا ماننا چاہیے -اپنی زندگی اپنی مرضی سے خود سے طے نہیں کرنی چاہیے۔ یہ چیز بہت اہم ہے اور جیسے کہیں کبھی کوئی انچارج ہے کوئی امیر ہے ۔تو اس کی اطاعت کرنی چاہیے کہنا ماننا چاہیے۔ اور عام طور پر کہنا انسان کیوں نہیں مانتا ؟ مَا أَرَاكُم مَّا تُحِبُّونَ ۚ کبھی اپنی میں ہوتی ہے ،کبھی دنیا کا مال ہوتا ہے کبھی اپنی عزت اور جاہ ہوتی ہے ۔کبھی اپنی شہرت ہوتی ہے کبھی یہ کہ میری رائے کیوں نہیں مانی گئی۔ مجھے کیوں نہیں لیڈر بنایا گیا۔ اور ایک ہوتا ہے -خود رو پودا وہ خود ہی بڑھتا رہتا ہے جدھر کو چاہے - اور ایک ہوتا ہے اس کی کانٹ چھانٹ کرنا تو کانٹ چھانٹ سے ہی وہ باغ کا حسن بنتا ہے۔ اگر اس کی کانٹ چھانٹ نہ ہو- تو خود رو پودا باغ کے حسن کی بجائے اس کی سجاوٹ کی بجائے کیا بنتا ہے؟ اس کی بدصورتی کا ذریعہ بن جاتا ہے -اس کو خراب کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔
تو یہاں بھی متوجہ کیا جا رہا ہے- **مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ** اس لیےکہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے۔ اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔
تو آپ دیکھ لیجئے کہ یہاں پر صحابہ کا جو محاسبہ ہو رہا ہے- اور غزوہ احد پر جو تبصرہ ہو رہا ہے- وہ کتنا سخت ہے -حالانکہ جو جنگ میں ہیں۔ کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن جو بھی چھوٹی موٹی بھی غلطیاں ہوئی ہیں۔ تو اللہ تعالی نے ساری یہاں پر کھول کر سامنے رکھ دی ہیں۔ کہ جب معاملہ طے ہو جائے اور اس وقت جبکہ وہ چیز زوروں پر ہو- اور اس وقت آپس میں اختلاف کرنا- تو یہ پھر صحیح بات نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے کہ ہمیں اپنی نیتوں کا جائزہ لیتے رہنا چاہیے۔ کہ انسان کیا چاہتا ہے۔ تو غزوہ احد کے متعلق مفسرین اور سیرت کے جو ابواب ہیں کہ جنگ میں مسلمانوں کا ابتدائی حملہ بہت کامیاب تھا -دشمن پر مسلمانوں نے غلبہ پایا تھا ،لیکن وہ صحابہ جو درّے پر مقرر تھے اور پھر درّے کو چھوڑ کر مال غنیمت سمیٹنے لگے- تو اس کے نتیجے میں

وہ کیا ہوا تھا- کہ مسلمان شکست میں مبتلا ہونے لگے۔ تو یہاں پر اسی چیز کی طرف اشارہ ہے جب نیتیں بدل جاتی ہیں۔ جب نیتوں میں کمزوری آجاتی ہے۔ دنیا آجاتی ہے۔ تو کیا ہوتا ہے کہ انسان جیتی ہوئی جنگ ہار دیتا ہے۔ چیز میں برکت نہیں رہتی۔ بعض اوقات تھوڑی چیز ہوتی ہے۔ اس میں بڑی برکت ہوتی ہے -بعض اوقات چیز بڑی کثیر نظر آرہی ہوتی ہے۔ لیکن نیت کے فتور کی وجہ سے اللہ اس کی برکت کو روک دیتا ہے ۔ **ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۖ وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ** تب اللہ نے کافروں کے مقابلے میں تمہیں پسپا کر دیا۔ یعنی تمہیں شکست دے دی۔ کیوں ایسا کیا؟ اللہ تعالیٰ نے تاکہ تمہاری آزمائش کرے۔ **وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ ۗ** اور حق یہ ہے- کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف کر دیا۔ یعنی تم نے غلطی تو بڑی سخت کی تھی۔ کہ اپنے نبی کی اطاعت نہ کی۔ اور اگر اللہ تمہیں معاف نہ کرتا تو تم ختم ہی ہو جاتے۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے۔

وَٱللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ یہ اللہ کا فضل ہے ۔یہ اللہ کی تائید اور حمایت ہے -کہ اس مشکل وقت میں کہ اس وقت بھی اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ۔یعنی تمہارا دشمن تم پر قابو پا رہا تھا ۔تم اپنے ہوش حواس کھو بیٹھے تھے۔ اور خود بخود تم شکست کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف کر دیا ۔ اگر آپ اس بات پر غور کریں -کہ دشمن کا پتہ نہیں چلتا - کس چیز نے ان کو مکہ کی طرف موڑ دیا۔ اگر وہ اس وقت مدینہ کا ہی رخ کر لیتے۔ تو کیا ہوتا ؟کہ مسلمانوں کی بیوی بچوں کو نعوذ باللہ قتل کرتے قید کرتے یا ان کو لونڈی اور غلام بناتے۔ تو یہ اللہ کا فضل اور اس کی معافی کا نتیجہ تھا۔ کہ اللہ نے مسلمانوں کو ایسی ذلت سے بچا لیا ۔ ورنہ جو ذلت میدان بدر میں مشرکین مکہ کو ہوئی تھی۔ وہ اس ذلت سے کہیں بڑھ کر پھر ہوتی ۔کہیں زیادہ مسلمانوں کو نقصان ہوتا ۔کہ اوندھے منہ مال غنیمت جمع کر رہے ہیں۔ اور اوپر سے دشمن آگیا، اور اپنے ہی ہاتھوں پتہ نہیں چل رہا کہ مسلمان ہے کہ کافر ہے تو یہ کیفیت کا جو اندازہ ہے ۔تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں یہ اللہ کا کرم ہے۔ کہ اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ورنہ تم نے غلطی تو بہت بڑی کی تھی۔

آیت 153: إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُۥنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَٱلرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِىٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ

ترجمہ: یاد کرو جب تم بھاگے چلے جارہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا ، اور رسول ؐ تمہارے پیچھے تم کو پکار رہاتھا۔ اس وقت تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا کہ تم کو رنج پر رنج دیے تاکہ آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر ملول نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

ذرا سوچو تو سہی ، ذرا غور تو کرو، یاد کرو ۔ جب تم بھاگے چلے جارہے تھے کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے کا تمہیں ہوش نہ تھا، اور رسول تمہارے پیچھے سے تم کو پکار رہا تھا۔ مسلمانوں پر اچانک دو طرف سے حملہ ہوا تھا -کیا تھا ؟کہ ایک طرف سے دشمن حملہ کر رہا تھا۔ اور ایک طرف سے پیچھے سے جب حضرت خالد نے حملہ کیا ۔اس وقت وہ خالد تھے- یعنی مسلمان نہیں ہوئے تھے ۔تو جب حملہ ہوا -تو پھر کیا تھا ؟رسول اللہ ﷺ تو ایک انچ بھی نہیں ہٹے تھے۔ چاروں طرف سے دشمن کا ہجوم تھا ۔دس بارہ صرف آدمی تھے -جو اس وقت مٹھی بھر مسلمانوں کی جماعت میں آپ ﷺ کے ساتھ تھے۔ اور آپ ﷺ پہاڑ کی طرح جمے ہوئے تھے۔ اور آپ ﷺ لوگوں کو کہہ رہے تھے-اللہ کے بندو میری طرف آؤ۔ اور مسلمان وہ اس حملے سے اپنے حواس کھو بیٹھے تھے ۔ہوش تک نہیں تھا۔ رسول تمہیں پیچھے سے پکار رہا تھا۔ لیکن لوگ کیا کر رہے تھے بھاگے چلے جا رہے تھے۔ **فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا۟ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ** اس وقت

تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا -کہ تم کو رنج پر رنج دیے۔ اور یہ کیوں رنج پر رنج دیے؟ یہ **غَمًّا بِغَمٍّ** سے مراد کیا ہے؟ کہتے ہیں- کہ اس کے رنج کے بدلے رنج یعنی مسلمانوں نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اللہ نے انہیں رنج پہنچایا ۔پہلا رنج کیا تھا؟ مسلمانوں کو شکست دے کر انہیں رنج پہنچایا۔ کہ جیتی ہوئی فتح ایک دم شکست میں بدلنے لگی۔ پھر دوسرے اس کے معنی کیا ہیں - کہ کئی مسلمان شہید ہو گئے -یہ بھی رنج تھا غم تھا۔ پھر کیا تھا- کہ کئی مسلمان زخمی ہوئے -یہ بھی ایک بڑا رنج تھا۔ پھر یہ خبر مشہور ہو گئی -کہ رسول اللہ ﷺ شہید کر دیے گئے۔ یہ بھی کتنا بڑا رنج تھا۔ اور پھر یہ بھی بہت بڑا رنج تھا ۔کہ اب جنگ میں شکست ہو رہی ہے -انجام کیا ہو رہا ہے -پھر یہ بھی بہت بڑا رنج تھا ۔کہ مسلمان اس وقت اپنی ہمتیں ہی توڑ بیٹھے ۔کوئی ہوش نہیں تھا۔ یہاں پر اگر آپ غور کریں- یہ جو لفظ ہے **غَمًّا بِغَمٍّ** یہ بتا رہا ہے کہ ایک غم نہیں تھا-کئی غم تھے۔ یعنی ایک شکست کا غم اور اس کے ساتھ غم کے اندر جو، **ب** آیا ہےتو غم کے اندر غم ۔کہتے ہیں یہاں پر لپٹا ہوا یعنی **ب** کے اندر تلبیس، لباس ہوتا ہے- لباس چھپے ہوئے کے معنی پائے جاتے ہیں کہ بہت سے غم اس کے اندر چھپے ہوئے تھے -یہ ایک غم نہیں تھا - **فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُواْ عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ** تاکہ آئندہ کے لئے تمہیں یہ سبق ملے -کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا مصیبت تم پر نازل ہو تواس پر تم غم نہ کیا کرو۔ **وَٱللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ** اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے ۔اللہ کو سب پتا ہے- کہ تم کیا کر رہے ہو۔ اور کیسے کام کر رہے ہو۔ یعنی یہاں پر اللہ رب العزت اس بات کی طرف متوجہ کر رہے ہیں ۔کہ مصیبت کا مقصد کیا تھا؟ تمہاری تربیت تھی کہ آئندہ جب تم پر کوئی مصیبت آئے ۔تو تم پھر غمزدہ نہ ہونا -اور اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ تو اس سے مراد کیا ہے-کہ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے؟ اللہ تعالی یہاں پر یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو- سب اللہ کے علم میں ہے ۔کیوں انسان جب ایک غلطی کرتا ہے- تو دوسری غلطی کا ذریعہ بنتی ہے -ایک نیکی کرتا ہے تو دوسری نیکی کا ذریعہ بنتی ہے۔ تو تم نے ایک نافرمانی کی تھی -تو نتیجے میں بہت سی مشکلیں مصیبتیں تمہاری طرف آ گئیں۔

قول بزرگ:

"نیک کام کی ایک نقد جزا وہ دوسری نیکی ہے -جس کی توفیق اس کو ہو جاتی ہے۔ اور برے عمل کی ایک سزا وہ دوسرا گناہ ہے -جس کے لئے پہلے گناہ نے راستہ ہموار کر دیا ہو"۔

تو اللہ تعالی انسان کو جب آزماتا ہے-تو وہ کیسے آزماتا ہے -اور پھر آزمائش میں آگے ہی آگے وہ بڑھاتا چلا جاتا ہے ۔تو کیا پتا چلتا ہے -کہ کبھی کوئی آزمائش یا مصیبت آئے ۔تو کمزوری نہیں دکھانی چاہیے۔ صبر و استقامت دعائیں اور اس کے ساتھ شکرگزاری کی روش اختیار کرنا ، ثابت قدمی دکھانا ۔کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتاہے جو تم کرتے ہو میں اُس سے باخبر ہوں۔

آیت 154: ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنۢ بَعْدِ ٱلْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَآئِفَةً مِّنكُمْ ۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَٰهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ مِن شَىْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ ٱلْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِ ۗ يُخْفُونَ فِىٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَىْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَٰهُنَا ۗ قُل لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ ۖ وَلِيَبْتَلِىَ ٱللَّهُ مَا فِى صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِى قُلُوبِكُمْ ۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ

ترجمہ: اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کردی کہ وہ اونگھنے لگے۔ مگر ایک دوسرا گروہ ، جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفادہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلافِ حق تھے، یہ لوگ اب کہتےہیں کہ”اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے؟“ ان سے کہو”(کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں“۔ دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائےہوئے ہیں اسے تم پر ظاہر نہیں کرتے، ان کا اصل مطلب یہ ہے کہ ”اگر(قیادت کے)

اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے۔" ان سے کہہ دو کہ"اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے"۔ اور یہ معاملہ جو پیش آیا ، یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزمالے اور جو کھوٹ تمارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت طاری کردی کہ وہ اُونگھنے لگے - اور یہ کیا تھا ؟یہ ایک بڑا عجیب واقع اور عجیب تجربہ تھا کہ لشکر اسلام کے بعض لوگوں کو یہ اُس وقت پیش آیا -جب بڑی مشکل کا وقت تھا اور بڑی ہی تکلیف کا وقت تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے سکینت نازل کی۔ اور سکینت اُس وقت نصرت کی دلیل تھی۔ جبکہ لوگ بڑے پریشان حال بھاگ رہے تھے بے سکونی تھی۔
حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں -کہ میں بھی اُن لوگوں میں سے تھا- جن پر احد کے دن اُونگھ چھائی جا رہی تھی ۔حتی کہ میری تلوار کئی مرتبہ میرے ہاتھ سے گری میں اُسے پکڑتا وہ پھر گر جاتی۔ پھر پکڑتا وہ پھر گر جاتی ۔ **روایۃ صحیح بخاری**
اللہ تعالیٰ نے اُن پر سکینت نازل کر دی۔ کہ بعض لوگ شدید قسم کے غم کے موقع پر بھی بڑی اُن کے اندر ایک جسمانی اور روحانی قسم کی سکون کی کیفیت ہوتی ہے۔ یہ ہے اہم بات کہ اُس مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ نے اُن پر ایسا سکون نازل کیا -کہ بدن تھک نہیں رہا تھا - اتنی مشکل میں ہونے کے باوجود جنگ کر رہے ہیں- تلوار گر رہی ہے۔ اتنی نیندکی کیفیت ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے۔ کہ قرآن پڑھنے لگیں اور نیند آنے لگے اور آپ کہیں کہ یہ سکینت نازل ہو رہی ہے -اس کا یہ مطلب نہیں ہے- اس کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں۔ کہ نیک کام کرتے وقت جب نیند آنے لگے تو شیطان کے اثر کی وجہ سے ہے۔ شیطان چاہتا ہے -کہ آپ جو اصل کام کر رہی ہیں- وہ نہ کریں ۔اور آپ کی سوچ کو ہٹا دیتا ہے -آپ کو بہکا دیتا ہے ۔ ایک کے بعد ایک خیال آتا جاتا ہے -اور خیالوں ایک ہجوم ہوتا ہے۔ جو آپ کے اوپر آرہا ہوتا ہے۔ آپ ایک کو ہٹاتی ہیں پھر دوسرا دوسرے کو ہٹاتی ہیں پھر تیسرا، تیسرا آتا ہے پھر چوتھا تو تھوڑے سے یہ کام کرلوں -وہ کام کرلوں اور پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو شیطان کے ہٹانے سے کسی طور جب نہیں ہٹتے نا تو پھر شیطان سوچتا ہے -کہ اب اس کی نیکیوں کو کم کیسے کیا جائے ۔یہ مسجد میں تو پہنچی گی- یہ کلاس میں تو آ گئی تو اب اس کی توجہ کیسے ہٹائی جائے۔ تو کبھی یہاں بیٹھے گھر کی باتیں سوچ رہے ہیں -حالانکہ آیتیں آ رہی ہوں حدیث بیان ہو رہی ہو اور اپنی زندگیوں کا جائزہ لینا ہو اور پھر ہم پر اثر نہ محسوس ہو ۔اور ہمارے دل نہ چھلکیں اور ہماری آنکھوں سے آنسو نہ بہیں۔ اور دل نرم نہ پڑیں ۔اور ہمارا دل نہ لگے- تو یہ بڑی عجیب کیفیت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے -شیطان اس وقت ایک اور وار کر رہا ہے -کہ نہیں نہیں تمہیں سمجھنے نہیں دینا -کہ ہو کیا رہا ہے- سمجھایا کیا جا رہا ہے -پھر کہتے ہیں اچھا استاد نے اس وقت یہ بات کی تھی- مجھے تو نہیں پتا چلا کیونکہ ہم تو تھے کہیں اور بھول بھلیوں میں گم - تو شیطان کیا کرتا ہے -کہ یہ ایک اور سخت وار کرتا ہے کہ سنے ہی نہیں سنی ان سنی کر دی -کہیں اور بات کرنے لگے -کسی آتے کو دیکھنے لگے کسی اور بات پر سوچنے لگے تو یہ ساری چیزیں ہیں- کہ نیکی کے وقت شیطان محتاط ہو جاتا ہے-کہ نیکی سے ہٹایا کیسا جائے -اور اگر یہ ہٹ نہیں رہا تو نیکی کے اجر کو کیسے کم کیا جائے۔ اور مجھے تو آتا ہے- بہت آتا ہے- مجھے ضرورت بھی نہیں ہے -اب لکھنے کی ۔اب واقعی نہیں آرہا کوئی بچہ تھا- سیرت کا پروگرام ہو رہا تھا- تو اس میں ایک بچہ تھا تو پوچھا اس سے کہ تم نے پڑھائی کی -کہنے لگا سیرت بھی کوئی پڑھنے کی چیز ہے- وہ تو مجھے ویسے ہی آتی ہے ۔تو بعض اوقات ہم over confident ہو جاتے ہیں۔ تو نتیجہ کیا نکلتا ہےکہ پھر ہار جاتے ہیں۔ تو پڑھائی کے ساتھ عاجزی اور انکساری اللہ کو بہت پسند ہے -تو آپ دیکھ لیں کہ جو نیک لوگ ہوتے ہیں- بعض اوقات مصیبت پریشانی کے وقت

کچھ لوگ بہت سکون میں ہوتے ہیں -کچھ لوگ بہت پریشان حال ہوتے ہیں- تو نیک لوگوں کو اللہ سکون کی نعمت سے نواز دیتا ہے-

طَآئِفَةً مِّنكُمْۖ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِۖ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لئے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی -اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا-ایسے جاہلانہ گمان کرنے لگا ۔جو سرا سر خلاف حق تھے-**يَظُنُّونَ بِٱللَّهِ غَيْرَ ٱلْحَقِّ** اللہ کے بارے میں بغیر حق وہ گمان کرتے ہیں۔ تو یہاں پر یہ بات بتائی جاری ہے -کہ **ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ** منافقین کا کردار ہے ان کو واضح کیا جارہا ہے -بتایا جارہا ہے۔ **ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ** سے مراد وہ لوگ جو مسلمان بنے پھرتے ہیں -اور ذرا سی آزمائش کی جب چوٹ لگتی ہے -تو اللہ کی صفات کے بارے میں عجیب عجیب باتیں کرنے لگتے ہیں۔ اور اس موقع پر **يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ** پھر یہ لوگ کہتے ہیں -کہ اس کام کے چلانے میں کوئی ہمارا حصہ بھی ہے ۔تو **ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ** کی یہ مثال یہاں پر دی گئی ہے۔ کیا **ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ** وہ کرتے ہیں ؟کہ جو کچھ انہوں نے اپنے دل میں چھپایا ہوا تھا- اس کا اظہار کر دیتے ہیں۔ وہ پکار اٹھتے ہیں -کہ اس کام کے چلانے میں کوئی ہمارا حصہ بھی ہے- اس سے مراد جنگی تدابیر جو مشورے کیے گئے تھے- تو ہمارا تو مشورہ ہی نہیں تھا۔ کہ جنگ باہر آ کر لڑی جائے ہم نے تو دیا تھا -کہ اندر رہ کر لڑیں۔ اب باہر رہ کر لڑی ہے- جب ہمارا کہنا نہیں مانا -تو پھر یہ سب کچھ تو ہونا ہی تھا۔ **ظَنَّ ٱلْجَـٰهِلِيَّةِ** تو اب یعنی وہ یہ کہنے لگے ۔کہ یہ جو شکست ہوئی- اور جو نقصان ہوا اور اتنی شہادتیں اور سارا کچھ اگر ہمارا کہنا مانا جاتا- ہماری رائے پر عمل کیا جاتا تو یہ برا دن دیکھنا نصیب ہی نہ ہوتا۔ ہمارے یہ بھائی نہ مارے جاتے -تو بجائے اس کے کہ جب مشورے سے کام طے ہو گیا۔ اور جو ہونا تھا وہ تو ہو کے ہی رہتا ہے - تو وہ خاموش رہتے اور الٹا یہ کہ وہ اس طرح کی باتیں کرنے لگے۔ کہ اس میں جو ہے وہ کوئی ہمارا حصہ تو تھا ہی نہیں۔ یعنی اگر ہمارا کہنا مانا جاتا تو پھر شکست نہ ہوتی پھر نقصان نہ ہوتا۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں- **قُلْ إِنَّ ٱلْأَمْرَ كُلَّهُۥ لِلَّهِۗ** -کہہ دیجئے کہ کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں ۔یعنی تمہارا حصہ اور تمہارا معاملہ وہ کہاں سے ہوتا؟ پوری بات کو سمیٹ کر وہ ایک بڑی اصولی بات اللہ تعالیٰ نے سامنے رکھ دی۔ کہ فتح ہے یا کہ نقصان ہے ،یہ سارے معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ **يُخْفُونَ فِيٓ أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ ٱلْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَـٰهُنَاۗ** دراصل یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اسے تم پر ظاہر نہیں کرتے۔ وہ کیا بات تھی- جو چھپائے ہوئے تھے؟ ان کا اصل مطلب یہ کہ اگر قیادت کے اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا یعنی ہماری بات مانی جاتی- تو ہم نہ مارے جاتے، یہ جو شہادتیں ہوئیں نقصان ہوا یہ نہ ہوتا ۔

قُل لَّوْ كُنتُمْ فِى بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ ٱلَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ ٱلْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْۖ ان سے کہہ دو -کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے -تو جن لوگوں کی موت لکھی تھی- وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔ تو یہاں پر ایک اور اہم حقیقت کی طرف اللہ رب العزت اشارہ کر رہے ہیں۔ اس کو واضح کر رہے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوی تقدیر ہے ۔ کہ جس مقام پر کسی کی موت واقع ہونا مقدر ہوتی ہے۔ تو کسی نہ کسی بہانے اپنی مقررہ جگہ پر پہنچ جاتا ہے۔ وہ مقام کونسا ہوگا- اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتےہیں -کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں ہے -کہ وہ کس جگہ مرے گا ۔تو یہ لوگ کیسے کہتے ہیں -کہ اگر ہماری بات مانی جاتی- تو نقصان نہ ہوتا۔ لوگ قتل نہ کیا جاتے-

کون میدان جنگ میں مرے گا -اور کون میدان جنگ میں نہیں مرے گا ۔ اور کون کہاں مرے گا۔ یہ ان کی باتیں سب غلط ہیں ۔ ان سے کہہ دو- کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے -تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی- وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔

تو اس سے ایک اور اہم اصول دین کا پتا چلتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہ **"لَو"** نہیں کہنا چاہئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر اگر ایسا ہوتا۔ کاش کا لفظ لوگ بہت زیادہ استعمال کرتے ہیں ۔کہ اگر ایسا ہوتا ۔تو پھر ایسا نہ ہوتا ۔اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ایسا نہ ہوتا۔ تو اس کو بھی ہمیں سمجھنا چاہئے ۔ یہ آیات ایک طرف احد کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہیں۔ اور دوسری طرف ہمارے ایمان کو مضبوط کرتی ہیں۔ اور بتاتی ہیں ۔کہ لوگو تقدیر پر ایمان لاؤ۔ موت پر ایمان لاؤ۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے یہ بات بھی پتا چلتی ہے۔

حدیث : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا ۔کہ طاقتور مومن بہتر ہے۔ اور خدا کو زیادہ پسند ہے۔ بہ نسبت کمزور مومن کے ۔اور دونوں میں یہ خیر اور نفع ہے۔ آخرت میں نفع دینے والی چیز کا حریص بن ۔اور اپنی مشکلات میں اللہ سے مدد طلب کر، اور ہمت نہ ہار، اور اگر تجھ پر کوئی مصیبت آن پڑے تو یوں مت سوچ کہ اگر میں ایسا کرتا تو یوں ہو جاتا بلکہ یوں سوچ لے کہ اللہ نے یہ مقدر فرمایا اور جو اس نے چاہا وہ کیا ۔جیسے **'لیے 'کہ 'لَّوْ اگر '** کا لفظ شیطان کے عمل کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ **حدیث مشکات ۔**

یہاں پر کیا بتانا مقصود ہے ۔کہ اصل چیز یہ ہے ۔کہ اپنی ذہانت تدبیر اور قوت کو سہارا نہ بناؤ۔ مصیبت جب آتی ہے۔ تو انسان یوں سوچتا ہے ۔کہ یہ مصیبت میرے رب کی طرف سے آئی ہے۔ تو کیوں آگئی ۔شاید جب بھی کوئی مصیبت پریشانی آتی ہے ۔تو لوگ یوں سوچنے لگتے ہیں ۔کہ اس وجہ سے آگئی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ میں تو آزماتا رہتا ہوں اور بعض اوقات جب کوئی کام کرتے کرتے غلط ہونے لگتا ہے۔ تو لوگ یہ بھی سوچتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ ٹھیک بھی ہے کے نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جو بھی نیک لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو آزماتے ہیں۔ تو ہمارا کام کیا ہے۔ کہ ہم یہ سوچیں ۔کہ جو بھی آزمائش آرہی ہیں ۔یہ اللہ کی طرف سے آئی ہیں۔ اور میری تربیت کا ایک حصہ ہے ۔

غزوہ احد پر منافقوں نے پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا ۔ایک طوفان کھڑا کر دیا باتوں کا ۔اللہ تعالیٰ ان سب باتوں کا جواب دے رہے ہیں۔ کہ آزمائشیں کیوں آتی ہیں۔ **وَلِيَبْتَلِيَ ٱللَّهُ مَا فِى صُدُورِكُمْ** جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے۔ اللہ اسے آزمالے **۔وَلِيُمَحِّصَ مَا فِى قُلُوبِكُمْ** اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہےاس کو چھانٹ دے**۔وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ** اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔ اللہ کو خوب پتا ہے کہ تمہارے معاملات کیسے ہیں ۔تو یہاں پر جس چیز کی طرف متوجہ کیا جا رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے تھے۔ کہ تمہارے سینوں کے اندر کیا ہے۔ ایمان اور نفاق اس کی پرکھ کرنا چاہتے تھے۔ ان مسلمانوں کے دلوں کو شیطانی وسوسوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ ایسا نہیں ہے ۔کہ اس کے ذریعےآزمائش میں ڈال کر اللہ کو پتہ چلتا ہے ۔ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ **وَٱللَّهُ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ** اللہ کو تو خوب پتا ہے ۔کہ مسلمان کون ہے اور نفاق کا لباس کس نے پہنا ہے ۔تو جہاد کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت یہ ہے ۔کہ مومن اور منافق کھل کر سامنے آجائیں ۔تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے ۔کہ سچا کون ہے اور جھوٹا کون ۔تو صرف جہاد ہی نہیں یعنی عام زندگی میں بھی جو آزمائیشیں آتی ہیں ۔تو ان کی ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں ۔کہ سچے کون ہیں۔ اور جھوٹے کون ہیں؟

آیت 155: إِنَّ ٱلَّذِينَ تَوَلَّوْا۟ مِنكُمْ يَوْمَ ٱلْتَقَى ٱلْجَمْعَانِ إِنَّمَا ٱسْتَزَلَّهُمُ ٱلشَّيْطَـٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا۟ ۖ وَلَقَدْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

ترجمہ: تم میں سے جو لوگ مقابلہ کے دن پیٹھ پھیر گئے تھے اُن کی اِس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے اُن کے قدم ڈگمگا دیے تھے اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔

اب یہاں پر جو بات بتائی جارہی ہے کہ غزوۂ احد جو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہوا تھا۔ تو اس شکست کے بعد بعض مخلص مسلمانوں نے بھی فرار اختیار کر لی تھی ۔کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ پھیلی تو مسلمانوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اور ایسا کیوں ہوا تھا؟ **تَوَلَّوْا مِنكُمْ** کہ تم لوگ کیوں بھاگنے لگے تھے؟ اس کی وجہ کیا تھی؟ کہ **إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا** اس میں **مَا كَسَبُوا** اہم ہے کہ درہ کو چھوڑنا ۔اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنا جو غلطی کی تھی-یہ جو قصد کیا تھا۔ تو اس کی وجہ کہ مومنوں کے دلوں میں اس وقت ایمان نہیں تھا۔ یہ ایک شیطانی بہلاوا تھا ۔ورنہ جن کے دل ایمان پر قائم تھے۔ وہ اس دوران بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے ۔صرف تیرہ یا چودہ مسلمان تھے۔ ان میں سات مہاجرین اور سات انصار تھے۔ کہ وہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے ۔لیکن کچھ مسلمان ایسے تھے- جو کہ اس وقت بھاگ رہے تھے ۔ یہاں پر اللہ رب العزت فرماتےہیں۔ **بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا** کہ اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے شیطان انہیں پھسلانے میں کامیاب ہوا تھا ۔ شیطان کا تو کام ہی ہے- کہ پھسلانا وہ انسان کے جسم میں انسان کی رگوں میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ لیکن وہ تب پھسلانے کا ذریعہ بنتا ہے ۔جب انسان کمزوری دکھاتا ہے ۔ تو یہاں پر یہ بات بتائی جاری ہے ۔کہ تم نے غلطی کی پھر غلطی پر غلطی- گناہ ایک انسان کرتا ہے پھر اگلا گناہ پھر اور گناہ ۔جیسے ایک انسان جب غلط کرتا ہے پھر جھوٹ بولتا ہے پھر جھوٹ پر جھوٹ پھر اور کئی غلطیاں کرتا جاتا ہے ۔تو نیکی سے نیکی کی توفیق ہوتی ہے اور گناہ سے گناہ کی توفیق ہوتی چلی جاتی ہے۔ ضروری ہے کہ انسان نیکیوں پر اپنے آپ کو ثابت قدم رکھے ۔تو یہاں پر اللہ تعالی نے بتایا کہ تم سے یہ غلطی تو ہو گئی تھی ۔ لیکن پھر کیا ہوا **وَلَقَدْ عَفَا ٱللَّهُ عَنْهُمْ** یہاں پر صحابہ اکرام کا بلند مقام بتایا جارہا ہے۔ کہ غلطی کے باوجود اللہ تعالی نے ان کی خطاؤں سے درگزر کیا۔ اللہ نے ان کو معاف کر دیا ۔اس لیے کہ اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے- ۔

یہاں پر ایک بات یاد رکھنی چاہئے- کہ صحابہ اکرام ان کی تربیت رسول اللہ ﷺ نے کی ۔اور اللہ تعالی نے بھی ان کی خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ بڑا احسان کا معاملہ کیا۔ اور اب کسی انسان کے لیے رہتی دنیا تک یہ جائز نہیں ہے ۔کہ صحابہ اکرام کا ذکر وہ برائی کے ساتھ کرے۔ یا ان میں سے کسی کو بھی گالیاں دے ۔

حدیث: حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور بعض صحابہ پر غزوۂ احد کے اس واقعے کا ذکر کر کے طنزکیا جو میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ۔کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالی نے اعلان فرما دیا- اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق حاصل ہے **۔روایۃ بخاری**

تو تمام جو اہل سنت والجماعت کے عقائد کی کتابیں ہیں- وہ اس بات پر متفق ہیں- کہ تمام صحابہ کی تعظیم کرنی چاہیے- عزت کرنی چاہیے ۔ان پر لعن طعن کرنا اعتراض کرنا اس سے پرہیز کرنا واجب نہی ہے ۔یہ چیز جائز نہیں ہے- اور تمام صحابہ ان کو ہم اچھا سمجھیں ۔ اور ان کی عزت کریں اور یعنی آج آپ کے دور میں بھی کچھ لوگ بعض صحابہ کو برا بھلا کہتے ہیں - یہ چیز صحیح نہیں ہے ۔آپ خود اس بات کو سوچیں ۔کہ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں ۔کہ اللہ نے ان کو معاف کر دیا۔ بیشک اللہ بچانے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۔تو تمام اہل ایمان کے لیے بھی اس میں یہ تنبیہ ہے کہ وہ صحابہ کو ملامت کا حدف نہ بنایا کریں- اور ان کی عزت اور احترام کیا کریں۔

سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ، نَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، نَسْتَغْفِرُکَ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ